1
سات رنگوں کا شہر

بوستانِ خیال　　　　پہلا حصّہ

سات رنگوں کا شہر

مقبول جہانگیر

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

چند باتیں

داستان امیر حمزہ کے بعد ہم آپ کے لیے ایک اور تحفہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ یہ داستان، جس کا نام بوستان خیال ہے، امیر حمزہ سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور دل چسپ داستان ہے۔ اسے آج سے تقریباً دو سو پینتیس برس پہلے میر تقی خیال نے فارسی زبان میں لکھا تھا۔ ان دِنوں بنگال میں نوّاب سراج الدّولہ اور دہلی پر محمد شاہ بادشاہ کی حکومت تھی۔

میر تقی خیال نے یہ داستان پندرہ موٹی موٹی جلدوں میں ختم کی اور اس میں اُنھیں کوئی نو برس لگے۔ ہر جلد یوں سمجھیے کوئی ہزار ہزار بارہ بارہ سو صفحوں کی ہوگی۔ آج کل یہ جلدیں نایاب ہیں اور پاکستان میں تو کہیں ملتی نہیں، شاید دُنیا کے دوسرے کُتب خانوں میں مل جائیں۔ بہر حال، بہت عرصے بعد اُردُو کے ایک ادیب خواجہ امان دہلوی نے اِس داستان کا اُردُو میں ترجمہ کیا، لیکن وہ پوری داستان کا ترجمہ نہ کر سکے۔ پھر لکھنو کے مرزا محمد عسکری صاحب نے اپنی کوشش سے داستان کے مختلف حصّوں کو اُردُو میں ڈھالا۔ اِس کے بعد لاہور کے سیّد نادر علی سیفی نے ترجمہ کیا اور کہیں کہیں داستان کو مختصر بھی کیا۔ سیفی صاحب کے ترجمہ کیے ہوئے کئی حصّے آج سے پچاسی برس پہلے (۱۸۹۱ء) میں لاہور ہی سے چھپے تھے۔

میں نے اِس داستان کو بہت آسان زبان میں لکھا ہے۔ غیر ضروری

واقعات اور وہ قصّے جو آپ کی دِلچسپی کے نہ تھے، اِس میں سے نکال دیے ہیں۔ اِس کے باوجود داستان کے اصل لُطف میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُمّید ہے یہ داستان آپ کو پسند آئے گی۔

مقبول جہانگیر

ایک سو تیس برس کا آدمی

اس عجیب و غریب داستان کی شروعات آج سے بارہ سو برس پہلے ہوئی تھی۔ اس زمانے میں بغداد کا مشہور خلیفہ ہارون الرشید اسلامی سلطنت کا حکمران تھا۔ یہ وہی خلیفہ ہے جس کا ذکر کہانیوں کی سب سے دلچسپ کتاب الف لیلہ میں آیا ہے۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ سیّدوں کا ایک خاندان بادشاہِ وقت کی ناراضی کے

باعث عرب سے نکل کر عراق میں چلا گیا۔ وہاں بھی اس خاندان کو پناہ نہ ملی۔ اس پر وہ ایران کے ایک شہر طوس کے قریب پہاڑوں اور غاروں میں جا چھپا۔ مگر بدقسمتی سے دُشمن وہاں بھی پہنچ گئے۔ بہت سے بے گناہوں کو قتل کر دیا اور بہت سوں کو گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیا۔

غرض سارا خاندان تباہ حال پناہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرنے لگا۔ کوئی جان بچانے کے لیے کہیں نکل گیا، کوئی کسی اور طرف۔ کسی کی خبر کسی کو نہ رہی۔ آخر یہ لوگ ملک افریقیہ میں جا بسے۔ افریقیہ کے حاکم کا نام عبد العزیز تھا اور اس کے ایک لاکھ دس ہزار سواروں کی فوج ہمیشہ جنگ کے لیے تیّار رہتی تھی۔

سیّدوں کے خاندان کے ایک جوان سیّد عبداللہ بہت خوب صورت، بہادر اور دلیر آدمی تھے۔ اُنھوں نے آہستہ آہستہ اپنی اور اپنے خاندان کی

حالت درست کی اور محنت کر کے اتنی دولت جمع کر لی کہ آس پاس کی زرخیر زمینیں افریقیہ کے حاکم عبدالعزیز سے خرید لیں اور ان میں کھیتی باڑی شروع کر دی۔ خُدا کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اس کام میں دِن دُونی رات چوگنی ترقّی ہوئی۔ رفتہ رفتہ سیّد عبداللہ نے خاندان کے نوجوانوں کو فنِ سپاہ گری سکھایا، تلواریں، خنجر، تیر، کمان بنانے سکھائے اور بہت سا اسلحہ روپے سے بھی خریدا۔ وہ جانتے تھے کہ دُشمن تاک میں لگے ہیں اور جوں ہی اُنہیں موقع ملے گا، وار کرنے سے ہرگز نہ چوکیں گے۔

ایک دِن کا ذکر ہے، سیّد عبداللہ گھوڑے پر سوار جنگل میں گھوم رہے تھے۔ ایک خادم ان کے ساتھ تھا۔ ناگہاں کُچھ فاصلے پر شور غُل کی آواز آئی اور بہت سے آدمی ایک جگہ جمع دکھائی دیے۔ سیّد عبداللہ گھوڑا دوڑا کر اس جگہ پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ عبدالعزیز کے چند غلاموں نے ایک بوڑھے شخص

کو گھیر رکھا ہے اور اسے بُری طرح پیٹ رہے ہیں۔ کوئی گھونسا مارتا ہے، کوئی اور کوئی دھکّے دیتا ہے۔ اس مار پیٹ سے بوڑھے کے کپڑے پھٹ چکے ہیں اور جسم جا بجا سے زخمی ہے۔

سیّد عبداللہ نے غلاموں سے کہا۔ "چھوڑ دو اِسے! تمھیں شرم نہیں آتی۔ ایک بوڑھے شخص پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔ ہمّت ہے تو آؤ، مُجھ سے دو دو ہاتھ کر لو۔"

یہ سُن کر غلاموں کے سردار شمران نے کہا۔ "تمھاری بہتری اِسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ میں اپنے نوکروں کو حُکم دوں گا اور وہ تمھاری مرمّت بھی کریں گے۔ اس بُڈّھے نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی لڑکی کی شادی مُجھ سے کرے گا۔ اب یہ اپنے وعدے سے پھر گیا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ بالکل جھوٹ۔" بُوڑھا چلّایا۔ "میں نے اِس سے ایسا کوئی

وعدہ نہیں کیا۔ یہ خواہ مخواہ مُجھے غریب اور بے کس جان کر تنگ کرتا ہے۔ اور میری عزّت کے در پے ہے۔"

اب تو سیّد عبداللہ کو بہت غصّہ آیا۔ اُنھوں نے جھٹ نیام سے تلوار کھینچ لی اور للکار کر شمران سے کہا :

"بُزدل! اگر کُچھ طاقت رکھتا ہے تو میرے مقابلے میں آ۔ ابھی تُجھے اِس سنگ دِلی کا مزا چکھاتا ہوں۔"

شمران نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ سب کے سب تلواریں اور خنجر نکال کر سیّد عبداللہ پہ ٹوٹ پڑے۔ جنگ شروع ہوگئی۔ ایک طرف اکیلے سیّد تھے اور دوسری طرف شمران اور اس کے تیس غلام۔ بہادر عبداللہ نے خوب چلائی اور دس بارہ غلاموں کو قتل کر دیا۔ لیکن اکیلا آدمی کہاں تک اتنے دُشمنوں کا مقابلہ کرتا۔ اُنھوں نے سیّد عبداللہ کو چاروں طرف

سے گھیر لیا۔ کسی نے تلوار ماری، کسی نے خنجر گھونپا، کسی نے ان کے گھوڑے کی گردن کاٹ لی۔ سیّد عبداللہ زخموں سے چُور ہو گئے۔ مرتے مرتے بھی اُنھوں نے شمران کے تین آدمی اور مار ڈالے۔ آخر ان ظالموں نے اُنھیں اور اُس بُوڑھے، دونوں کو شہید کر دیا۔

سیّد کا خادم کسی طرح جان سلامت لے کر وہاں سے نکل گیا اور قبیلے میں جا کر یہ خبر سُنائی۔ جس جس نے سیّد عبداللہ کے قتل ہونے کی خبر سنی، دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

اُدھر شمران غلام نے حاکمِ افریقیہ عبدالعزیز سے شکایت کی کہ سیّد بہت طاقت ور ہوتے جاتے ہیں اور اگر اُنھیں روکا نہ گیا تو ایک دِن سلطنت کے لیے بڑا خطرہ بن جائیں گے۔ اس نے ناراض ہو کر سادات (سیّدوں) کو پیغام بھیجا اور حکم دیا کہ اگر آئندہ اُنھوں نے شاہی غلاموں سے لڑائی جھگڑا

کیا تو سخت سزا دی جائے گی۔

خُدا کی قُدرت دیکھو کہ جس دِن سیّد عبداللہ کو شمران کے غلاموں نے شہید کیا، اسی رات ان کی بیوی وجیہہ خاتون کو اللہ تعالی نے ایک لڑکا دیا۔ لڑکے کے نانا خواجہ صوفی نے اُسی وقت ایک نجومی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ اس کا زائچہ بناؤ اور معلوم کرو کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ نجومی نے زائچہ بنایا اور خوش ہو کر بولا۔

"اے خواجہ، تیرا یہ نواسا بہت بڑا آدمی بنے گا۔ میرا علم کہتا ہے کہ اِسے سلطنت نصیب ہوگی، بادشاہت کرے گا اور اس کی وجہ سے سادات اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کریں گے۔ ابھی اسے دُشمنوں کے شر سے بچانے کی کوئی تدبیر کرو، کیوں کہ اس کے باپ سیّد عبداللہ کو شمران غلام نے شہید کیا ہے اور وہ سادات کا سخت دُشمن ہے۔ جب اس بچّے

کے پیدا ہونے کی اِطّلاع اسے پہنچے گی تو وہ دُشمن ہو جائے گا۔ شاید کسی حیلے بہانے بچّے کو قتل کرنے کی بھی کوشش کرے۔"

یہ سُن کر خواجہ صوفی نہایت فکرمند ہوئے۔ سوچ سوچ کر آخر ایک تدبیر ان کے ذہن میں آئی۔ افریقیہ سے کوئی ایک سو میل دُور ایک ویرانہ تھا۔ یہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ اس زمین پر فصل کاشت کی جاتی تھی۔ اسے بنجر زمین سمجھ کر کوئی بھی توجّہ نہ دیتا تھا خواجہ صوفی عبدالعزیز کے پاس گئے اور کہا کہ میں یہ زمین خرید کر اسے آباد کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی قیمت مُجھ سے لے لو اور زمین کا مالک مُجھے بنا دو۔

عبدالعزیز یہ عجیب درخواست سُن کر بہت حیران ہوا۔ خواجہ صوفی کی بزرگی کے سبب وہ ان کی عزّت کرتا تھا۔ کہنے لگا۔

"اے خواجہ، یہ کیا بات تمہارے دماغ میں آئی ہے؟ وہ ویرانہ اور صحرا

تمہارے کس کام کا ہے؟ اگر تم اسے آباد کرنا چاہتے ہو تو بے شک وہاں چلے جاؤ۔ میں اس کی قیمت تم سے کیا ہوں۔"

خواجہ صوفی نے ضِد کر کے زمین کی قیمت ادا کی اور سادات کو آہستہ آہستہ وہاں لے جا کر آباد کیا۔ یہیں اُنہوں نے اپنے مکان بنائے، دُکانیں کھولیں، سرائے تعمیر کیں۔ خُدا کی قدرت اس ریگستان اور ویرانے میں سے ٹھنڈا میٹھا پانی بھی نکل آیا۔ جا بجا کنویں کھودے گئے اور دیکھتے دیکھتے اچھّا خاصا شہر آباد ہو گیا۔ خواجہ صوفی نے اس کا نام رباط رکھا۔

اب اِس بچّے کا حال سُنو جس کا زائچہ نجومی نے بتایا تھا۔ نانا نے اس کا نام محمد مہدی رکھا۔ وہ شروع ہی سے بہت ذہین اور بہادر تھا۔ اپنے قبیلے میں سب ہی بچّوں سے ہر میدان میں آگے رہتا۔ کھیل کود میں جتنا ہوشیار تھا، لکھائی پڑھائی میں اس سے زیادہ تیز نکلا۔

خواجہ صُوفی نے اسے پہلوانی اور سپاہ گری کی تعلیم دلوائی۔ تلوار چلانا، کُشتی لڑنا ایسا سکھایا کہ پورے قبیلے میں اس جیسا کوئی نہ تھا۔ بارہ برس کی عمر میں بے دھڑک تیر کمان اور تلوار لے کر جنگل میں چلا جاتا اور شکار کھیلتا۔ گھڑ سواری کا ایسا ماہر کہ کوسوں میلوں گھوڑا اڑائے پھرتا اور ایک مرتبہ بھی ایسا نہ ہوا کہ گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر گرا ہو۔

قبیلے کے لوگ محمد مہدی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔ بڑے بُوڑھے دعائیں دیتے۔ نوجوان اسے اپنا سردار سمجھتے اور وہ ہر ایک کی مصیبت میں ان کے کام آتا۔

وقت گزرتا گیا۔ کئی سال بیت گئے۔ محمد مہدی اب جوان ہو چکا تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر تھی۔ ایک دِن شکار کھیلنے جنگل میں گیا۔ اتّفاق ایسا ہوا کہ سارا دِن پھرتا رہا، کوئی شکار ہاتھ نہ لگا۔ حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے! بہت غور

کیا، لیکن کُچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر پھرتے پھراتے شام ہونے لگی۔ مایوس ہو کر گھوڑے کی باگ بستی رباط کی جانب پھیری۔ لیکن ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سنہرے رنگ کا ایک چھوٹا سا ہرن لمبی لمبی گھاس میں سے نکلا اور ایک طرف بھاگ نکلا۔

ہرن اتنا خوب صورت تھا کہ محمد مہدی کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ چاہتا تو تیر چلا کہ اسے گرا سکتا تھا مگر خیال آیا کہ اسے زندہ پکڑا کر ساتھ لے جانا چاہیے یہی سوچ کر گھوڑا ہرن کے پیچھے لگا دیا، مگر ہرن ہر لمحے چھلانگیں لگاتا ہوا دُور ہوتا جا رہا تھا۔ محمّد مہدی کو بھی ضِد ہو گئی کہ خواہ کُچھ ہو، ہرن کو پکڑنا ضرور ہے۔ آخر جائے گا کہاں۔

سورج ڈوب گیا۔ جنگل میں اندھیرا چھانے لگا۔ اب کا گھوڑا ایسی جگہ سے گزر رہا تھا جہاں وہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ چاروں طرف اُونچے اُونچے گھنے

درختوں کے جھنڈ سر اٹھائے کھڑے تھے۔ اب جو نظر اُٹھا کر سامنے دیکھتا ہے تو ہوش اڑ گئے۔ وہ سنہری ہرن غائب ہے اور ارد گرد آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ پھر طوفان کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ہوا اس زور سے چلی کہ خُدا کی پناہ۔ جنگل، وادیاں، پہاڑ اور صحرا سب اوجھل ہو گئے۔ اتنا شور تھا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ گھوڑا بے تاب اور خوف زدہ ہو کر ہنہنا رہا تھا۔

آخر مہدی نے بڑی مشکل سے ایک پہاڑی غار کے اندر پناہ لی۔ یہ غار اتنا بڑا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو بھی اندر لے گیا۔ اِدھر اُدھر سے گھاس پھوس جمع کر کے آگ روشن کی۔ تب کُچھ جان میں جان آئی۔ کمر سے تھیلا کھول کر روٹیاں اور کباب نکالے، کھائے اور چمڑے کی چھاگل سے پانی انڈیل کر پیا۔ پھر غار سے باہر نکلا۔

طوفان کی شدّت سے زمین پر قدم جمانا دشوار تھا۔ ہزار دقّتوں کے بعد گھوڑے کے لیے گھاس لے کر آیا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ خود تو کباب اور روٹی کھا کر پیٹ بھرے اور اس کا وفادار گھوڑا بھوکا رہے۔

تین دِن اور تین راتیں محمد مہدی اسی غار میں قید رہا۔ آخر کباب اور روٹی ختم ہو گئی۔ پانی اس سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ فاقوں پر نوبت آ گئی۔ اس تمام مدّت میں طوفانی ہوا برابر چلتی رہی۔ ہزاروں درخت جڑ سے اُکھڑ گئے۔ پہاڑوں پر سے کئی کئی من وزنی پتھر ہیبت ناک شور کے ساتھ لڑھکتے ہوئے آتے اور دُور تک جنگل میں درختوں کو تہس نہس کرتے ہوئے چلے جاتے۔

پانچویں دِن طوفان کسی قدر کم ہوا۔ سیّد محمد مہدی غار سے نکلا، گھوڑے پر سوار ہوا اور اندازے سے اپنی بستی کی طرف چلا، لیکن راستہ بھول کر کہیں

سے کہیں جا نکلا۔ دِن بھر سفر کرنا۔ راہ میں جب بھوک لگتی، پھل دار درختوں سے پھل توڑتا، کھا لیتا۔ پیاس لگتی تو کسی پہاڑی چشمے سے پیاس بجھا لیتا۔ حیران تھا کہ اس قدر سر سبز و شاداب علاقے کے بارے میں پہلے کبھی سُننے میں نہیں آیا۔ عجب تماشا ہے! کبھی کبھار کوئی جانور مار لیتا۔ اس کا گوشت آگ پر بھونتا اور مزے کے لے کر کھاتا۔

بعض اوقات یہ سوچ کر رونے لگتا کہ اس کی غیر حاضری سے نانا خواجہ صوفی اور اس کی والدہ وجیہہ خاتون کا کیا حال ہوا ہو گا۔ قبیلے کے لوگ کتنے پریشان ہوں گے۔ کوئی کُچھ کہتا ہو گا، کوئی کُچھ۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ سب نے سمجھ لیا ہو گا کہ جنگل میں شیر نے ہڑپ کر لیا۔ رو دھو کر چُپ ہو جائیں گے اور کیا کریں گے۔

جوں جوں راستہ طے کرتا جاتا، نئی نئی باتیں دیکھنے میں آئیں۔ خُدا کی

قدرت پر عش عش کرتا۔ ایک جگہ جنگل میں سُرخ رنگ کے شیروں کا جوڑا دیکھا۔ کُچھ فاصلے پر ایسے سانپ نظر آئے جو انڈے کی طرح سفید تھے اور جن کے سروں پر تاج بنے ہوئے تھے۔ اور آگے چلا تو ایک تالاب دکھائی دیا جس کا پانی سنہری رنگ کا تھا اور اس میں نیلی، پیلی، لال، کالی اور نارنجی ننّھی مُنّی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

محمد مہدی نے ایسی مچھلیاں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ دیر تک وہ تالاب کے کنارے بیٹھا ان مچھلیوں کا تماشا کرتا رہا۔ اسے یہ دیکھ کر سخت تعجّب ہوا کہ ہر مچھلی کی ایک آنکھ ہے۔ صرف ایک آنکھ۔ عین مُنہ کے اوپر۔ گول گول، چمک دار اور گھومتی ہوئی۔ اس نے پانی میں ہاتھ ڈال کر مچھلیاں پکڑنے کی کوشش بھی کی، مگر ایک بھی مچھلی اس کے ہاتھ نہ آئی۔ جب وہ کوشش کر کر کے تھک گیا تو تالاب کے اندر سے مچھلیوں کے ہنسنے کی

آواز سُنائی دی۔ وہ مُنہ کھول کھول کر اُس کی بے بسی پر قہقہے لگا رہی تھیں۔

پھر ایک مہین سی سُریلی آواز اس کے کان میں آئی۔ ایک مچھلی پانی سے باہر سر نکال کر کہہ رہی تھی:

"محمد مہدی، اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ قدرت نے تمہیں مچھلیاں پکڑنے کے لیے پیدا نہیں کیا، بلکہ تم بڑے بڑے کام سر انجام دینے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہو۔ اب یہاں سے جاؤ، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

دہشت سے محمد مہدی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیا مچھلیاں بھی انسانوں کی طرح بول سکتی ہیں؟ یہ تو اس کے وہم و گُمان میں بھی نہ تھا۔ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا، گھوڑے پر بیٹھا اور اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا دُور نکل گیا۔

یکایک ایک عالی شان شہر کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ہلکی کر دی۔ یہ شہر ایک بُلند پہاڑ کے دامن میں آباد تھا۔ اونچی اونچی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ قلعے اور محل تھے۔ شہر میں بڑی چہل پہل تھی، لیکن جس کو دیکھو کالے کپڑے پہنے ہوئے پھر رہا ہے۔

محمد مہدی حیرت سے لوگوں اور شہر کو دیکھتا بھالتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ بھی اسے دیکھتے اور آپس میں چُپکے چُپکے نہ جانے کیا کہتے۔ اتنے میں نقّارے بجنے کی آواز بُلند ہوئی۔ غُل مچا کہ بادشاہ سلامت کی سواری آتی ہے۔ آگے آگے گھڑسواروں کا ایک دستہ ہاتھ میں ننگی تلواریں لیے، چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے، ایک سیاہ ہاتھی پر، بادشاہ بیٹھا نظر آیا۔ اس کے دائیں بائیں امیر، وزیر اور سپہ سالار گھوڑوں پر سوار سر جھکائے چلے آ رہے تھے۔ ان سب کے لباس سر سے پیر تک بالکل سیاہ تھے۔ تماشائیوں کا بہت بڑا

ہجوم بادشاہ سلامت کی سواری کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ سیّد محمد مہدی بھی اس ہجوم میں شامل ہو گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ بادشاہ کی سواری کہاں جا رہی ہے اور ان لوگوں کے سیاہ پوش ہونے کا مقصد کیا ہے۔

پہاڑ کے نیچے پہنچ کر بادشاہ کی سواری رُک گئی۔ سب امیر وزیر اپنے اپنے گھوڑوں سے اترے، پھر بادشاہ سلامت کا ہاتھی زمین پر بیٹھا۔ ایک چھوٹی سی لکڑی کی بنی ہوئی سیڑھی لگائی گئی۔ بادشاہ بڑی شان اور ادا سے سیڑھی پر پاؤں رکھتا ہوا نیچے اترا۔ سب لوگوں نے گردنیں جھُکا کر ادب سے بادشاہ کو سلام کیا۔ اب بادشاہ آگے آگے اور باقی لوگ پیچھے پیچھے پہاڑ پر چڑھنے لگے۔

پہاڑ کی چوٹی پر پتھر کی ایک عمارت بنی ہوئی تھی، جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بُتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ جب اِس بُت خانے کے

قریب پہنچے تو لوگوں نے اپنے جوتے اُتار دیے۔ بادشاہ بھی ننگے پاؤں تھا۔

اندر بہت بڑا کمرا دِکھائی دیا جس کے بیچ میں پتھّر کے ایک اونچے چبوترے پر عجیب ہیبت ناک شکل کا بُت رکھا تھا۔ اس بُت کے گلے میں ہیرے اور موتیوں کے بے شمار ہار پڑے تھے۔ سر پر سونے کا قیمتی تاج تھا۔ آنکھوں کی جگہ لال رنگ کے دو بڑے بڑے یاقوت لگے ہوئے تھے۔ چبوترے کے قریب ہی سونے کی ایک کرسی پر ایک بُڈّھا پھونس بیٹھا نظر آیا۔ اس کے سر بھی سونے کا تاج تھا اور اس نے بہت ہی قیمتی کپڑے پہن رکھے تھے۔

بادشاہ اور اس کے وزیروں نے پہلے پتھّر کے اس بُت کو سجدہ کیا، پھر اس بُڈھے کو آداب بجا لائے اور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو

گئے۔ چند لمحوں بعد بُڈھے نے گردن اُٹھا کر بادشاہ کی طرف دیکھا اور بولا :

"اے جابل بادشاہ، آج کیسے آنا ہوا؟"

بادشاہ نے ادب سے کہا۔ "اے قیس، میں نے پھر وہی خواب دیکھا ہے، جو اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔ بڑے بڑے عالموں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی مگر کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ اب پھر تیری خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ شاید تیری سمجھ میں کُچھ آجائے۔"

قیس نے حیرت سے کہا۔ "میں خود حیران ہوں کہ وہی خواب تُجھے بار بار دکھائی دیتا ہے۔ اچھّا خیر، خواب پھر بیان کرے۔ ہو سکتا ہے آج اس کی کوئی تعبیر میرے ذہن میں آجائے۔"

تب جابل بادشاہ نے اپنا خواب یوں بیان کیا :

"کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا صحرا ہے۔ اتنا بڑا صحرا دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ کوسوں میلوں تک ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے ہیں۔ کوئی درخت نہیں اور نہ کہیں سایہ ہے۔ آدمی ہے نہ آدم زاد۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دُور سے اونٹوں کی ایک قطار گزری۔ میں ایک قدم آگے بڑھا۔ پھر دوسری قطار گزری۔ میں پھر ایک قدم آگے گیا تو تیسری قطار دکھائی دی۔

غرض اسی طرح ایک ایک قدم کر کے میں آگے بڑھتا گیا اور اونٹوں کی قطاریں میرے سامنے سے گزرتی رہیں۔ میں گنتا رہا۔ آخر میں نے تین سو قطاریں گنیں۔ پھر میں چلتا ہوا اس مقام پر جا پہنچا جہاں سے اونٹوں کی قطاریں گزرتی تھیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک چھوٹی سی بستی ہے اور بہت سے آدمی چلتے پھرتے ہیں لیکن کسی کی صورت شکل دکھائی نہیں

دیتی۔ میں ایک بُلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ لوگ میرے قریب آئے اور نہ جانے کون کون سا سامان لا کر میرے ارد گرد ڈھیر کرنے لگے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ مغرب کی جانب سے ایک کالی گھٹا اٹھی۔ اس نے اتنی تیزی سے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ میں خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ آہستہ آہستہ زمین، آسمان اور صحرا اس گھٹا میں چھُپ گئے اور میں نے دِل میں کہا کہ یہ سیاہی مُجھے نیست و نابود کر ڈالے گی۔ یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ مغرب ہی کی طرف سے سورج نکل آیا اور آناً فاناً وہ کالی گھٹا غائب ہو گئی۔ خوف جاتا رہا اور میں نے جو سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے، ایک دم سفید ہو گئے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اب بتا، اس عجیب خواب کی تعبیر کیا ہے۔"

بُڈھے قیس نے گردن جھُکا کہ دیر تک غور کیا پھر کہنے لگا۔

"اے بادشاہ، غور سے اِس کی تعبیر سُن اور یاد رکھ۔ تین سو بلائیں ناگہانی تیری طرف آئیں گی۔ ایک بلا اُن میں سب سے بڑی ہو گی لیکن تیرے مقدر کا ستارہ ان سب بلاؤں کو تُجھ سے دُور کر دے گا۔ یہ تین سو بلائیں کون ہیں؟ تو نہیں سمجھتا؟ میں بتاتا ہوں۔ سُن۔ تین سو آدمی تیری دُشمنی پر کمر باندھیں گے اور تُجھے مار ڈالنے کی تدبیریں کریں گے۔ اس مقصد کے لیے مست ہاتھی چھوڑیں گے لیکن اِس بُت کی مہربانی سے وہ تیرا کُچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ یہ بُت دراصل وہ سُورج ہے جسے تُو نے خواب میں مغرب کی طرف سے نکلتے دیکھا۔ جو تھوڑا بہت سامان تیرا سیاہی میں گُم ہوا ہے، اس سے مراد تیری عُمر ہے کہ کسی قدر گزر چکی ہے۔ بس یہ ہے تعبیر تیرے خواب کی۔"

یہ کہہ کر اُس مکّار بُت پرست بُڈھے نے بادشاہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور

اُسے رُخصت ہونے کی اجازت دی۔

سیّد محمد مہدی نے یہ تماشا دیکھا تو دِل میں کہا، ان بُت پرست لوگوں کو بتانا چاہیے کہ وہ کتنے بڑے دھوکے میں پڑے ہیں۔ بھلا پتھرّ کا یہ بُت اُن کے کِس کام آ سکتا ہے۔ یہ سب شیطان کا بہکاوا ہے۔ جب لوگ بادشاہ کے ساتھ شہر کی جانب واپس چلے گئے تو مہدی نے دیکھا کہ پہاڑ بہت خُوش نُما ہے اور یہاں کے نظّارے دِل فریب ہیں۔

قریب ہی دوسرا پہاڑ تھا۔ وہاں چلا گیا۔ اس کی چوٹی پر ایک عالی شان سیاہ رنگ کا گُنبد دکھائی دیا جس کے اندر سے عجیب و غریب آوازیں آتی تھیں۔ یہ جاننے کے لیے کہ یہ آوازیں کہاں سے آتی ہیں، گُنبد کے قریب گیا تو اُس کا دروازہ نظر آیا۔ یہاں ایک اونچا درخت دیکھا۔ اس درخت کے پتّے سُرخ رنگ کے تھے اور پھل گول گول، شیشے کی مانند

چمکتے تھے۔ مہدی نے ایک پھل توڑ کر چکھّا۔ اُس میں شہد سے بھی زیادہ میٹھا رس بھرا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک نورانی صورت کے بزرگ گُنبد میں سے باہر آئے، مہدی کو سلام کیا اور حال پوچھا۔ مہدی نے اپنی کہانی سُنائی۔ بزرگ نے بہت دعائیں دیں اور فرمایا:

"میرا نام شیخ مغربی ہے۔ ایک سو تیس برس سے تیرے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ جب میں سیر و سیاحت کرتا ہوا اِس علاقے میں آیا تو ایک رات خواب میں کسی بزرگ نے مُجھے حُکم دیا کہ اب یہیں رہو۔ یہاں سے کہیں نہ جانا۔ ٹھیک ایک سو تیس برس بعد اس علاقے میں ایک بادشاہ کی حکومت ہوگی۔ اسے لوگ جابل شاہ کہہ کر پکاریں گے۔ ان ہی دِنوں ایک عجیب و غریب خواب بار بار جابل بادشاہ کو دکھائی دے گا۔ وہ اس کی تعبیر پوچھنے

کے لیے قیس بُت پرست کے پاس جائے لیکن وہ اُس کی غَلَط تعبیر دے کر بادشاہ کو رُخصت کر دے گا۔ آخر وہ بادشاہ تعبیر دریافت کرنے کے لیے ایک دِن میرے پاس آئے گا۔

پھر اُس بزرگ نے، جو مُجھے خواب میں نظر آئے تھے، ایک بیج عطا فرمایا اور کہا کہ اسے پہاڑ میں دبا دو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ چند دِن بعد کیا دیکھا کہ بیج میں سے یہ عظیم الشّان درخت ظاہر ہوا۔ اس درخت کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ جو اسے کھائے، اس پر زہر اثر نہیں کرتا۔ کُچھ عرصے بعد تمھیں ایک خوف ناک اژدہے کو مارنا پڑے گا۔ اُس کا زہر ایسا خطرناک ہے کہ اگر ایک قطرہ دریا میں پڑ جائے اور اس کا پانی دس لاکھ آدمی پیئیں تو سب کے سب ایک آن میں مر جائیں لیکن اس پھل کے کھانے سے اُس اژدہے کا زہر تم پر بالکل اثر نہ کرے گا، لہٰذا جس قدر ہو سکے یہ پھل درخت سے توڑو اور

کھاؤ۔"

شیخ مغربی بہت شفقت اور محبّت سے پیش آئے۔ مہدی کو اپنے ساتھ گُنبد کے اندر لے گئے۔ بڑی خاطر تواضع کی اور کہا۔ "مبارک ہو۔ تُم بہت جلد بہت بڑے بادشاہ بننے والے ہو۔ آج رات جابل بادشاہ پھر وہی خواب دیکھے گا اور قیس بُت پرست پھر اسے وہی تعبیر بتائے گا لیکن جابل بادشاہ ناراض ہو کر بُت خانے سے چلا جائے گا۔ پھر تعبیر پوچھنے کے لیے میرے پاس آئے گا۔ اب تُم رات یہیں ٹھہرو۔ صُبح چلے جانا۔"

غرض محمد مہدی تمام رات وہیں رہا۔ طرح طرح کے عجائبات دیکھنے میں آئے، جن سے پتا چلا کہ شیخ مغربی تو بہت پہنچے ہوئے اللہ والے بزرگ ہیں۔

صُبح ہوتے ہی مہدی اُن سے رُخصت ہو کر بُت خانے کی طرف گیا اور ایک

جانب جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک عظیم الشّان جلوس کے ساتھ جابل شاہ آتا دکھائی دیا۔ اس نے آتے ہی قیس بُڈّھے سے کہا :

"آج رات بھی میں نے وہی خواب دیکھا ہے۔ تُم نے اس کی جو تعبیر بتائی ہے، وہ میری سمجھ میں نہیں آتی اور نہ اس پر میرا اطمینان ہے۔ صحیح تعبیر بتاؤ۔"

یہ سُن کر قیس سخت طیش میں آیا اور چلّا کر بولا :

"اے بادشاہ، کیا میں جھوٹا ہوں ؟ تُجھے غلَط تعبیر بتاتا ہوں ؟ اگر ایسی بات ہے تو اس بُت کا غضب تُجھ پر نازل ہوگا اور تیری سلطنت جاتی رہے گی۔ اب فوراً یہاں سے دفع ہو جا اور خبردار! آئندہ اپنی صورت ہمیں مت دکھائیو۔"

جابل شاہ کو بھی غصّہ آیا۔ بڑھ کر دو طمانچے اُس بُوڑھے شیطان کے مُنہ پر مارے، وہ اُلٹ کر اوندھے مُنہ فرش پر گرا۔ پھر بادشاہ نے اُس بُت کو ٹھوکر مار کر نیچے گرا دیا اور سپاہیوں کو حُکم دیا کہ بُت خانے میں جتنی دولت ہے، سب لوٹ لو۔ یہ حُکم پاتے ہی سپاہی بُت خانے میں گھُس گئے۔ جس کے جو ہاتھ لگا، لے گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سوائے بُڈھے قیس کے کُچھ باقی نہ بچا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بادشاہ نے لوگوں سے پوچھا:

"کیا ہماری تمام سلطنت میں ایک بھی عاقل اور دانا شخص ایسا نہیں جو ہمیں اِس عجیب خواب کی صحیح تعبیر بتا سکے؟"

یہ سُن کر خاموشی چھا گئی۔ سب امیروں اور وزیروں نے شرم سے گردنیں جھُکا لیں۔ کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر ایک خُدا پرست آدمی ہجوم میں سے نکل کر سامنے آیا اور کہا۔

"جہاں پناہ، سامنے، دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر ایک درویش رہتے ہیں۔ نام ان کا شیخ مغربی ہے۔ باکمال آدمی ہیں۔ اللہ سے لَو لگائے ہوئے ہیں۔ بادشاہوں اور امیروں کے پاس نہیں جاتے۔ اگر آپ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنا خواب بیان کریں تو مُجھے یقین ہے وہ اس کی سچّی اور صحیح تعبیر دے سکیں گے۔"

یہ سُن کر جابل شاہ بہت خوش ہوا اور اسی وقت دوسرے پہاڑ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ یکایک ہجوم کو چیرتا پھاڑتا اور بادشاہ سلامت کی دہائی دیتا ایک شخص آیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ یہ تو شاہی اصطبل کا داروغہ ہے۔ بادشاہ کے قریب پہنچ کر وہ روتا ہوا اُس کے قدموں میں گر پڑا اور کہنے لگا:

"حضور، ایک خوف ناک آفت نازل ہوئی ہے۔ اگر آپ نے جلد اُسے دور کرنے کا انتظام نہ کیا تو خدشہ ہے کہ پوری سلطنت ملیا میٹ ہو جائے گی۔"

خوف ناک اژدہا

یہ سُنتے ہی جابل شاہ کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ حیران پریشان ہو کر داروغہ کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس سے کہا:

"آخر ہُوا کیا ہے؟ سب تفصیل عرض کرو۔"

داروغہ نے ہاتھ باندھ کر ادب سے کہنا شروع کیا۔ "جہاں پناہ، آج شاہی اصطبل کے تمام گھوڑے سرکاری چراگاہ کی طرف حسبِ معمول روانہ

کیے گئے تھے۔ ان کے ساتھ سپاہی اور سائیس بھی تھے۔ ابھی یہ گھوڑے اپنے محافظوں کے ساتھ چراگاہ میں پہنچے ہی تھے کہ ایک پہاڑی غار کی جانب سے نہایت گرم زہریلی ہوا کے بھبکے آنے شروع ہوئے۔ جہاں جہاں یہ ہوا گئی، وہاں وہاں گھوڑے اور آدمی ہلاک ہوتے چلے گئے۔ حضور، اب تک کی اِطّلاع کے مطابق تین سو نوّے گھوڑے اور پچاس آدمی مارے جا چکے ہیں۔"

یہ سُن کر سب حاضرین پر دہشت طاری ہو گئی۔ بادشاہ نے پوچھا:

"آخر اِس زہریلی ہوا کے آنے کا سبب کیا ہے؟"

داروغہ نے عرض کیا۔ "حضور، سُنتے ہیں کہ یہ اُس اژدہے کا سانس ہے جو پہاڑوں کے اندر سینکڑوں برس سے زندہ سلامت رہتا آیا ہے۔ قدیم زمانے میں اِس خوف ناک اژدہے کو مارنے کی بڑی کوششیں کی گئیں لیکن

ہر کوشش ناکام ہوئی۔ اس مُہم میں، خُدا جھُوٹ نہ بُلوائے تو اب تک ہزاروں بہادر نوجوان مارے جا چکے ہیں۔"

جابل شاہ نے فوج کے سپہ سالار جبلان کوہ تن کی طرف دیکھا اور کہا :

"جبلان کوہ تن، ابھی فوج کا ایک دستہ لے کر اِس اژدہے کی تلاش میں جاؤ اور واپس آ کر اِطّلاع دو کہ وہ مارا گیا یا نہیں؟ ہم تمہارے مُنہ سے ناکامی کی خبر سُننا پسند نہیں کریں گے۔"

یہ حُکم سُنتے ہی جبلان کوہ تن کے بدن میں کپکپی چھوٹ گئی۔ سمجھ گیا کہ قضا آ گئی۔ وقت پورا ہو گیا۔ ابھی ابھی بادشاہ سلامت داروغہ کی زبانی سُن چکے ہیں کہ وہ موذی اژدہا سینکڑوں برس سے زندہ ہے اور ہزاروں آدمیوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ جو بھی اسے مارنے کے لیے گیا، پھر اسے زندہ لوٹ کر آنا نصیب نہ ہوا۔ لیکن بادشاہ کے حُکم سے سر تابی کی کِس کو مجال تھی۔

جبلان کوہ تن نے ادب سے گردن جھُکائی اور روانہ ہو گیا۔

اِس کارروائی سے فارغ ہو کر جابل شاہ شیخ مغربی سے ملاقات کے لیے دوسرے پہاڑ کی طرف چلا۔ اس قافلے کے پیچھے پیچھے محمد مہدی بھی تھا۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت شیخ ایک پتھرّ پر بیٹھے، آنکھیں بند کیے، یادِ الہیٰ میں گُم ہیں۔ جابل شاہ خاموشی سے اُن کے قدموں میں جا بیٹھا۔ شیخ مغربی نے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ بادشاہ اپنے مصاحبوں سمیت خدمت میں حاضر ہے اور فقیری کے رُعب سے اُس کے بدن پر کپکپی طاری ہے۔ تب شیخ مغربی نے کہا:

"فرمائیے؟ کیسے تشریف لانا ہوا؟"

جابل شاہ نے اُن کے پاؤں چوم کر جواب دیا۔ "حضرت ایک خواب کی تعبیر پوچھنے حاضر ہوا ہوں۔ پہلے قیس کے پاس اِس مقصد کے لیے کئی بار

گیا، لیکن اس نے کبھی صحیح تعبیر نہ بتائی۔ اب ایک شخص نے آپ کا پتا دیا، اس لیے آیا ہوں۔"

شیخ مغربی نے مُسکرا کر کہا۔ "اے بادشاہ، تُم بُتوں کو پوجتے ہو، حال آں کہ عبادت کے لائق تو صرف خُدا کی ذات ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی اِس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ مُجھے، تمھیں اور ساری مخلوق کو اُسی نے بنایا ہے۔ اب اپنے خواب کی تعبیر سُنو۔"

"صحرا سے مُراد عَدَم ہے، یعنی وہ مقام جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اونٹوں کی ایک قطار کا مطلب ایک برس سے ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ زمانہ آج سے تین سو برس پہلے کا ہے۔ بُلندی سے مراد تختِ سلطنت ہے۔ آبادی کے معنی ہیں خود تیری ذات، اور سامان وغیرہ سے مراد تیرے نوکر چاکر، وزیر امیر ہیں۔ سیاہی یا کالی گھٹا دراصل ایک ہولناک اژدہا ہے جو

تیری سلطنت پر مُصیبت بن کر نازل ہو گا۔ اور سورج سے مراد ایک نوجوان سیّد ہے جس کا نام محمد مہدی ہے۔ یہ وہ نوجوان ہے جو اژدہے کو خُدا کے حُکم سے ہلاک کرے گا اور تمہارے دِل سے کُفر اور بُت پرستی کی سیاہی دور کرے گا۔"

یہ کہہ کر شیخ مغربی چُپ ہو گئے۔ جابل شاہ گردن جھکائے، ادب سے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے عرض کیا۔

"حضرت، وہ نوجوان سیّد محمد مہدی کہاں ہے ؟"

یہ سُن کر شیخ مغربی نے دائیں جانب نظر دوڑائی۔ سیّد مہدی فوراً سامنے آیا۔ شیخ نے بادشاہ سے اُس کی ملاقات کرائی۔ جابل شاہ مہدی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور اُس کا حال پوچھنے لگا۔ سیّد مہدی تمام سوالوں کا جواب دیتا رہا۔

اتنے میں جبلان کوہ تن سپہ سالار حاضر ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور مارے خوف کے مُنہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ آتے ہی وہ جابل شاہ کے قدموں میں گر پڑا اور بولا:

"حضور، میں آپ کی فوج کی سپہ سالاری کے قابل نہیں۔ میری جان بخشی فرمائی جائے۔ میں جہاں پناہ کے حُکم کی تعمیل میں پانچ سو سپاہیوں کا دستہ لے کر پہاڑوں کے اندر اژدہے کی تلاش میں گیا۔ اوّل تو سپاہی جانے کے لیے تیّار ہی نہ ہوتے تھے۔ ڈرا دھمکا کر اُنھیں لے گیا۔ مگر نتیجہ کیا نکلا؟ اژدہے کے زہریلے سانس سے دو سو سپاہی فوراً ہی مر گئے۔ ایک سو جل کر کوئلہ ہو گئے۔ باقی اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ میرا گھوڑا بھی اس زہریلی ہوا کی لپیٹ میں آ کر مر گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔

میں ایک بُلند پہاڑ پر چڑھا اور وہاں سے دیکھا۔ اژدہے کا سر ایک بہت بڑے گُنبد کے برابر ہے اور منہ غار کی مانند کھلا ہے۔ لمبائی کوئی ایک ہزار گز ہوگی۔ کھال کا رنگ بالکل کوئلے کی طرح کالا سیاہ ہے۔ جب وہ سانس لیتا ہے تو اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا سانس اتنا گرم ہے۔ قریب کی پہاڑیاں اور چٹانیں سب اس آگ کے اثر سے کالی پڑ گئی ہیں اور پورے علاقے میں نہ کوئی درخت ہے، نہ گھاس پھونس، نہ کوئی جاندار وہاں زندہ رہ سکتا ہے۔ اس اژدہے کو مارنا محال ہے۔"

جابل شاہ یہ سُن کر بے قرار ہوا اور شیخ مغربی سے کہنے لگا: "حضرت، یہ فرمائیے کہ اس اژدہے کو کیا محمد مہدی اکیلا ہی ہلاک کرے گا یا مجھے اپنا لشکر بھی اس کے ساتھ بھیجنا ہوگا؟"

شیخ مغربی ہنس کر بولے : "اے بادشاہ، اگرایک کروڑ سپاہی بھی تیری فوج میں ہوں، تب بھی اژدہے کا بال بیکا نہ کرپائیں گے۔ خود سوچ کہ جو مُوذی صرف اپنے زہریلے اور گرم سانس کے ذریعے سینکڑوں آدمیوں کو کوسوں دور سے جلاکر فنا کر دیتا ہے، اُس کا مُقابلہ فوج کیسے کر سکے گی؟ اب تم اپنے محل میں جا اور رعایا کے لیے حُکم جاری کر دے کہ کوئی شخص اُن پہاڑوں کی طرف نہ جائے جہاں وہ اژدھا رہتا ہے۔"

جابل شاہ نے شیخ مغربی کے قدموں کو بوسہ دیا اور رخصت ہو گیا۔

جب سب لوگ چلے گئے تو شیخ مغربی نے خنجر نکال کر محمد مہدی سے کہا : "گُنبد کے دروازے پر ایک عظیم الشّان درخت لگا ہے، اُس کے پھل اِس خنجر سے کاٹ کر لا اور اِن کا عرق نکال کر پی۔ تاکہ تیرے بدن میں قوّت پیدا ہو اور تُجھ پر اِس زہریلے اژدہے کا کوئی اثر نہ ہو۔"

مہدی نے حُکم کی تعمیل کی۔ دن بھر وہ اُن عجیب و غریب سُرخ پھلوں کا مزے دار رس پیتا رہا۔ دوپہر کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے بدن کی قوّت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ وہ دو دو، تین تین من وزنی پتھر آسانی سے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنے لگا۔ چھوٹے موٹے درخت جڑوں سے اکھاڑ لیتا۔

تیسرے پہر شیخ مغربی نے ایک اور کام کیا اور وہ یہ کہ اس درخت کے پتّوں کو نچوڑ کر پانی نکالا اور مہدی کے جسم پر اچھی طرح ملا۔ پھر درخت کی جانب اشارہ کر کے فرمایا:

"سیّد مہدی، اب خُدا کا نام لے کر اِس درخت کو جڑ سے اُکھاڑو اور عجب تماشا دیکھو!"

جوں ہی درخت اُکھڑا، ایک ہولناک شور سُنائی دیا۔ پھر ہر طرف اندھیرا سا

چھا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ اندھیرا چھٹنے لگا تو مہدی نے دیکھا کہ جس مقام سے درخت اکھڑا تھا، وہاں ایک گہرا تہ خانہ نمودار ہوا ہے۔ اِس تہ خانے کے اندر لوہے کا بہت بڑا صندُوق رکھا تھا۔ شیخ مغربی کے اشارے پر مہدی اِس تہ خانے میں اُترا اور صندُوق کا ڈھکنا اٹھایا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس میں قیمتی تلوار مخمل میں لپٹی ہوئی دھری ہے۔ تلوار کے دستے پر لعل و جواہر جڑے تھے، جن کی چمک اِتنی تھی کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔

مہدی نے وہ صندُوق اُسی تہ خانے میں چھوڑا اور تلوار لے کر باہر آیا۔ شیخ مغربی نے بسم اللہ کہہ کر تلوار سیّد مہدی کی کمر میں باندھی۔ پھر فرمایا:

"اے فرزند، یہ تلوار تمہارے لیے خُدا کا انعام ہے اور اس تلوار کا نام 'روئیں شگاف' ہے۔ خوبیاں اس کی بے شمار ہیں۔ جب تم اِسے چلاؤ گے تو تُم پر اس کی خوبیاں کھُلیں گی۔ اب جو کچھ میں کہوں، اُسے غور سے

سُنو۔ جب تم اس پہاڑ سے نیچے اُترو گے تو راہ میں تمہیں بہت سے لوگ ملیں گے۔ وہ سب تمہیں منع کریں گے کہ اُدھر مت جاؤ، ورنہ اژدہا مار ڈالے گا۔ لیکن خبردار! کسی کی بات نہ ماننا۔ اپنی راہ پر چلتے جانا۔ بڑی بڑی نورانی اور بزرگ صُورتیں بھی دکھائی دیں گی۔ وہ بھی تمہیں منع کریں گی، روکیں گی، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں دھوکا دینے کے لیے اُن شریر روحوں میں سے کوئی میری شکل بنا کر بھی آ جائے۔ تم ہرگز ہرگز دھوکا نہ کھانا۔ اگر زیادہ تنگ کریں تو اِس تلوار سے انہیں ڈرا دینا۔ وہ فوراً اپنی اصلی شکل میں آ کر دُور بھاگ جائیں گی۔ یہ سب شیطانی روحیں ہیں۔ تمہیں کُچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ لیکن اگر تُم اُن کی باتوں میں آ گئے تو پھر اژدہا تُمہیں ہلاک کر ڈالے گا۔

خیر، دوسرے پہاڑ کے پرلی طرف وہ مُوذی جانور تمہیں دِکھائی دے گا۔

اُس کے مُنہ سے نکلنے والے آگ کے شُعلے تُم تک پہنچیں گے ۔ مگر اِن پھلوں کے اثر کی وجہ سے تمہارا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔ برابر اژدہے کی طرف بڑھتے جانا۔ پھر اِس تلوار سے پہلے اُس کی دونوں آنکھیں پھوڑنا۔ اِس کے بعد سر کاٹ ڈالنا۔ گن کر ایک سو بیس مرتبہ تلوار کا وار کرنا۔ تب وہ مُوذی فنا ہو گا۔ جب وہ مر جائے تو اُس کا سر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔ اُس کے دماغ میں سبز رنگ کا ایک گول چمک دار مُہرہ ہو گا۔ اُسے مار مُہرہ کہتے ہیں۔ جس شخص کے قبضے میں یہ مار مُہرہ ہو، کسی سانپ کا زہر اُس پر اثر نہیں کرتا اور اگر کسی کو سانپ کاٹ لے اور یہ مُہرہ پانی میں گھول کر وہ پانی بیمار کو پلا دیا جائے تو ایک دم شفا یاب ہو۔ غرض اُس مار مُہرے کی اَن گِنت خوبیاں ہیں۔ اب جاؤ۔ تمہیں خُدا کے سُپرد کیا۔"

شیخ مغربی نے سیّد مہدی کو گلے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رُخصت کر دیا۔

مہدی نے پہاڑ سے اُتر کر ابھی آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ ایک آدمی جھاڑیوں کے پاس بیٹھا نظر آیا۔ مہدی کو آتے دیکھ کر وہ زور زور سے چلّانے لگا۔

"اے نوجوان! اُدھر کہاں جاتے ہو؟ خبر نہیں، آج اژدہے نے پانچ سو آدمیوں کو مار ڈالا ہے۔ جابل شاہ نے حُکم دے دیا ہے کہ کوئی شخص پہاڑوں کی جانب نہ جائے، ورنہ عبرت ناک سزا دی جائے گی۔"

سیّد مہدی نے اُس شخص کی آواز پر کان تک نہ دھرا اور اُس کے قریب سے ہو کر آگے چلا گیا۔ دیر تک وہ شخص چلّاتا اور اسے روکتا رہا، مگر مہدی نے ایک نہ سُنی۔ اُسے شیخ مغربی کی نصیحت اچھّی طرح یاد تھی۔ کُچھ دور ہی آگے گیا تھا کہ سامنے سے ایک بُڈّھا لاٹھی ٹیکتا، آہستہ آہستہ چلتا نظر آیا۔ اُس کی سفید داڑھی سے اندازہ ہوتا تھا کہ بہت ہی ضعیف ہے۔ مہدی نے

اُسے بزرگ سمجھ کر ادب سے سلام کیا اور پُوچھا :

"بڑے میاں، آپ اتنے خطرناک علاقے میں کیوں جا رہے ہیں؟ آپ کو خبر نہیں کہ کالے اژدہے نے جابل شاہ کے سینکڑوں سپاہی ہلاک کر ڈالے ہیں!" بُوڑھے نے گردن اُٹھا کر مہدی کو دیکھا اور شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا :

"ہاں بیٹا، مُجھے سب خبر ہے۔ لیکن میرے پاس ایسا تعویذ ہے جس کی وجہ سے وہ اژدہا مُجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن خبردار! تُم اُدھر مت جانا۔ ورنہ جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔ یہ تلوار تمہارے کسی کام نہ آئے گی۔ لاؤ، یہ مُجھے دے دو اور خود واپس چلے جاؤ۔ تمہاری ماں وجیہہ خاتون اور تمہارے نانا خواجہ صوفی کا غم کے مارے بُرا حال ہے۔ جلد اُن کے پاس پہنچو ورنہ اُن کی صورت کبھی نہ دیکھ سکو گے۔"

سیّد مہدی نے جب اپنی پیاری ماں اور نانا کے بارے میں یہ بات سُنی تو سخت پریشان ہوا اور رونے لگا۔ اُس نے سوچا، واقعی یہ بُوڑھا تو بہت پہنچا ہوا بزرگ اور سب کُچھ جانتا ہے۔ بے اختیّار کمر سے تلوار کھول کر اُسے دے دینے کا ارادہ کیا، لیکن عین اُسی لمحے شیخ مغربی کی صورت نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی۔ مہدی نے تلوار میان سے نکالی اور اُس کا عکس بُوڑھے پر ڈالا۔ پلک جھپکتے میں اُس بُوڑھے کی جگہ ایک بھیانک شکل کی چڑیل کھڑی نظر آئی، جس کے بال لمبے لمبے تھے، چہرے کا رنگ سیاہ اور بڑے بڑے سفید دانت مُنہ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ایک خوف ناک چیخ مار کر وہ چڑیل اُلٹے قدموں بھاگی۔ مگر مہدی نے اسے بھاگنے کا موقع ہی نہ دیا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اُس کی گردن، تن سے الگ ہو کر، دُور جا گری۔ چڑیل کی کٹی ہوئی گردن اور جسم سے خُون کے بجائے دھویں کا

ایک بادل سا اُٹھا اور آناً فاناً غائب ہو گیا۔ اب جو مہدی نے دیکھا تو وہاں کُچھ نہ تھا۔

خُدا کو یاد کر کے وہ پھر آگے بڑھا اور تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ اب ایک نئی بات در پیش آئی۔ اس کے دائیں بائیں، آگے پیچھے قہقہوں اور رونے کی ملی جُلی آوازیں آنے لگیں۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی پیچھے پیچھے ہنستا ہوا آ رہا ہے۔ اور کبھی یُوں لگتا جیسے کوئی مُصیبت زدہ دہاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔ مہدی جب پلٹ کر دیکھتا تو وہاں کُچھ بھی نظر نہ آتا۔

وہ اور آگے بڑھا تو پہاڑوں پر سے کئی کئی مَن وزنی پتھرّ لڑھکتے ہوئے نیچے آنے لگے۔ اُن میں سے ایک ایک پتھرّ ایسا تھا کہ اگر مہدی کے اوپر آن گِرتا تو اُس کا قیمہ ہو جاتا۔ لیکن جوں ہی وہ اپنی حیرت ناک تلوار کا عکس اُن پتھرّوں پر ڈالتا، وہ آناً فاناً ریت کے ذرّوں میں بدل کر فضا میں غائب ہو

جاتے۔

اب وہ ایسے مقام پہ آنکلا جہاں اُسے اژدہے کے گرم اور زہریلے سانس کی بدبُو محسوس ہونے لگی۔ پھر اس نے ایک جگہ آگ کے شُعلے اُٹھتے دیکھے جو ایک غار میں سے نکلنے اور آسمان تک جاتے۔ کبھی اُن کا رنگ سُرخ ہوتا، کبھی زرد اور کبھی نیلا۔ یہ شُعلے چکّر کاٹتے ہوئے آسمان تک جاتے اور پھر گھومتے ہوئے نیچے اُترنے لگتے۔ یہ تماشا ایسا عجیب اور دِل فریب تھا کہ سیّد مہدی اُسی کو دیکھنے لگا اور اژدہے کو بالکل بھول گیا۔

یکایک ایک ہولناک گرج سُن کر وہ چونکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ رنگ کا ایک پہاڑ آگ اور دھویں کی لپیٹ میں آگے بڑھتا چلا آتا ہے۔ یہ وہی موذی اژدہا تھا جس نے سینکڑوں برس میں نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو جلا کر رکھ دیا تھا، لیکن اب اُس کی موت اُسے خود مہدی کے قریب کھینچ

لائی تھی۔

خُدا کو یاد کر کے مہدی جلدی سے دوڑا اور ایک بُلند چٹان پر چڑھ گیا۔ مگر وہ حیران تھا کہ تلوار چھوٹی ہے اور اژدہا اتنا بڑا۔ وہ اُسے کیوں کر مار سکے گا لیکن یہ دیکھ کر اس کے تعجّب کی انتہا نہ رہی کہ آپ ہی آپ تلوار کی لمبائی بڑھنی شروع ہوئی اور اتنی بڑھی کہ اژدہے کے گُنبد جیسے سر تک جا پہنچی۔ یہ دیکھ کر اُس کا حوصلہ بڑھ گیا اور اُس نے اژدہے کے سر پر تلوار مارنی شروع کر دی۔

شیخ مغربی نے بتایا تھا کہ اژدہے کو ہلاک کرنے کے لیے ایک سو بیس مرتبہ تلوار مارنی پڑے گی۔ آہستہ آہستہ اژدہے کا سر کٹنے لگا اور اُس میں سے گاڑھے سیاہ رنگ کا بدبُو دار مادہ نکلنا شروع ہوا۔ مہدی نے تلوار کے پہلے ہی وار سے اژدہے کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالی تھیں۔ اُس کے مُنہ

سے اب شُعلے نکلنے بند ہو چُکے تھے اور شُعلوں کی جگہ ہیبت ناک ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں، ایسی آوازیں جن سے اِردگرد کے پہاڑ خُشک تنکے کی طرح کانپ رہے تھے اور زمین یُوں ہل رہی تھی جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

اژدہے کو مرنے میں پورے دو دن لگے۔ مہدی کو اُس کی کھوپڑی میں سے سبز رنگ کا مار مُہرہ بھی ملا جو اندھیرے میں چراغ کی طرح روشن ہو جاتا تھا اور اُس کی روشنی دُور سے نظر آتی تھی۔

تیسرے دِن سیّد مہدی واپس شیخ مغربی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اژدہے کے مارے جانے کی خوش خبری سُنائی اور مار مُہرہ بھی دِکھایا۔ شیخ مغربی بہت خوش ہوئے، اُٹھ کر مہدی کو سینے سے لگایا اور پھر اپنی پگڑی اُتار کر مہدی کے سر پر رکھ دی۔ مہرہ بھی اُس میں حفاظت سے رکھ دیا اور کہا۔ "اس کی ایک خوبی اور بتاتا ہوں۔ اگر کسی دُشمن پر اس کا عکس ڈالو گے تو

وہ اُسی وقت مر جائے گا اور جسے دوست بنانا چاہو گے اِسے پانی میں ڈال کر ملا دو۔ وہ فوراً جہاں نثار دوست بن جائے گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پہاڑ کے دامن میں نقّارے بجنے اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سُنائی دیں۔ معلوم ہوا جابل شاہ حاضر ہوا ہے۔ اُسے اژدہے کے مارے جانے کی اِطّلاع ہو چکی تھی۔ وہ آتے ہی شیخ مغربی کے قدموں پر گِرا، پھر سیّد مہدی کے دونوں ہاتھ چومے اور ادب سے بیٹھ گیا۔ شیخ مغربی نے اُسے بُت پرستی چھوڑنے کی ہدایت کی اور دینِ اسلام کی خوبیاں بیان فرمائیں۔

جابل شاہ نے اُسی وقت بُت پرستی سے توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا۔ اِس کے ساتھ تمام وزیر اور امیر بھی مُسلمان ہوئے۔ پھر بادشاہ نے حُکم جاری کیا کہ سلطنت میں جتنے بُت خانے ہیں، سب گرا دیے جائیں اور

آئندہ کوئی شخص بُتوں کی پوجا نہ کرے۔ قیس بُوڑھے کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈالا جائے۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ کہیں بھاگ گیا ہے اور سپاہی جا بجا اُسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔

اب سیّد مہدی نے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔ شیخ مغربی اور جابل شاہ اُسے رُخصت کرنے کے لیے دُور تک ایک ساتھ آئے۔ رُخصت ہوتے ہوئے شیخ مغربی نے کہا:

"اے فرزند، ابھی تم ایک مرتبہ اور اِدھر آؤ گے۔ اور مُجھے قبر میں دفن کرو گے۔" یہ سُن کر سیّد مہدی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

جابل شاہ نے کہا۔ "اے نوجوان، مُجھے اپنا دوست اور بھائی سمجھنا اور جب بھی میری ضرورت پڑے، طلب کر لینا۔ اب جاؤ، کبھی کبھار اپنی خیریت کا پیغام بھیجتے رہنا۔" سیّد مہدی وہاں سے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر

رباط کی جانب روانہ ہوا۔ راہ میں سوچتا جاتا تھا کہ جب گھر پہنچوں گا تو اتنے دِن کی غیر حاضری کا کیا سبب بیان کروں گا؟ نانا جان اور امّی جان سخت خفا ہوں گی۔ مگر جب رباط میں داخل ہوا تو اس کی آمد کی خبر ایک دم مشہور ہو گئی اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ والدہ اور نانا نے خوب پیار کیا اور احوال پوچھا۔ سیّد مہدی نے سارا قصّہ شروع سے آخر تک کہہ سُنایا۔ اُنھوں نے حیرت سے دانتوں میں اُنگلیاں دے لیں۔ آخر خواجہ صوفی نے کہا:

"بیٹا، تُم اتنے دِن غائب رہے اور یہاں عبدالعزیز کے نابکار غُلام شمران نے ہمیں تنگ کرنے کی ٹھانی ہے۔ وہ تمہارے باپ کا قاتل ہے اور شروع سے تمہاری جان کا گاہک بھی بنا ہوا ہے۔ دیکھیے، اب کیا نئی آفت ڈھاتا ہے۔ سُنا ہے عبدالعزیز نے اسے ارشن آباد کا صوبے دار بنا

دیا ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ارشن آباد میں بھی بہت سے گھرانے سیّدوں کے آباد ہیں اور مُجھے خوف ہے کہ یہ ظالم کہیں اُن پر ظُلم نہ ڈھائے۔"

سیّد مہدی نے انہیں تسلّی دی اور کہا۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خُدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم شمران کا مُقابلہ کریں گے۔ وہ ہمارا کُچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور اگر اُس نے شرارت ہی پر کمر باندھ لی ہے تو میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

عِماد جِن آتا ہے

ابھی سیّد مہدی کر رباط واپس آئے زیادہ دِن نہیں ہوئے تھے کہ ایک رات خواب میں شیخ مغربی کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں :

"اے مہدی، فوراً اُٹھ اور جنگ کی تیّاری کر۔ اِدھر ارشن آباد کا ظالم صُوبے دار شمران بے گناہ لوگوں پر ظُلم و سِتم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور اُس نے بہت سے آدمی مار ڈالے ہیں۔ ہم جابل شاہ کو تیری مدد کے لیے فوج کے

ساتھ بھیجتے ہیں۔ فلاں پہاڑی درّے میں جابل شاہ سے تیری ملاقات ہو گی۔"

آنکھ کھُلتے ہی مہدی نے بدن پر ہتھیار لگائے، ہر طرح تیّار ہو کر اپنی چھوٹی سی فوج کو ساتھ لیا اور بجلی کی سی تیزی سے ارشن آباد کی طرف روانہ ہوا۔ خواجہ صوفی اور وجیہہ خاتون نے اُس کو فتح و کام یابی کی دعائیں دے کر رُخصت کیا۔

دوسرے دِن ایک پہاڑی درّے میں جابل شاہ سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے سیّد مہدی کو بتایا کہ پچھلی رات شیخ مغربی خواب میں دِکھائی دیے اور اُنھوں نے مُجھے حُکم دیا کہ سیّد مہدی جنگ کے لیے اپنی فوج سمیت ارشن آباد کر روانہ ہو رہا ہے۔ تُم فوراً اُس کی مدد کو پہنچو۔ فلاں پہاڑ کے درّے میں مہدی سے تمھاری ملاقات ہو گی۔

یہ سُن کر سیّد مہدی حیران ہوا اور شیخ مغربی کی بزرگی کا اور زیادہ قائل ہو گیا۔ پھر دِن رات منزلیں طے کرتا ارشن آباد میں داخل ہوا۔ وہاں قیامت برپا تھی۔ شمران ظالم کی فوجیں سادات کے قلعے کو گھیرے میں لیے ہوئے تھیں اور قلعے کو آگ لگائی جا چکی تھی۔ سیّد مہدی اور جابل شاہ کی فوجوں نے ایک دم حملہ کیا اور ایسی جنگ کی کہ شمران کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ بے شمار لاشیں اور زخمی میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ مہدی اور جابل شاہ نے دُور تک اس کا پیچھا کیا اور تلوار کے وہ ہاتھ دِکھائے کہ دُشمن بھی عش عش کرنے لگے۔ شمران نے بھاگنے اور جان بچانے کی بڑی کوشش کی، لیکن موت اُس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ یکایک اُس کا گھوڑا سیّد مہدی کے سامنے آ گیا۔ مہدی نے شمران کو مُقابلے کے لیے للکارا۔ شمران نے اپنے آگے ایک گراں ڈیل نوجوان کو دیکھا جس کے چہرے پر

جلال کا نُور برستا تھا اور ہاتھ میں تیغ روئیں شگاف تھی، جس سے خُون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ خود مہدی کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ شمران نے ایسی جاہ و جلال والی صورت کبھی نہ دیکھی تھی۔ دہشت سے تھر تھر کانپنے لگا اور بھاگنے کے ارادے سے گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر مہدی نے اُسے بھاگنے کا موقع نہ دیا۔ بڑھ کر تلوار اُس کی گردن پر ماری۔ شمران کی گردن کٹ کر دُور جا گری اور لاشہ گھوڑے سے گِر کر تڑپنے لگا۔

شمران کے مرتے ہی اُس کے ساتھیوں نے رہا سہا حوصلہ بھی ہار دیا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ سادات نے فتح کے نقّارے اور شادیانے بجائے۔ قلعے سے ایک بزرگ نکل کہ مہدی سے ملنے آئے۔ یہ سیّد رکن الدّین تھے۔ اُنھوں نے آتے ہی مہدی کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور بڑے اصرار سے اپنے ساتھ قلعے کے اندر لے گئے۔ جابل شاہ کی بہت تعظیم

اور تکریم کی گئی۔

سیّد رکن الدّین کی عُمر کوئی اسّی برس کی ہوگی اور وہ اِن دِنوں ارشن آباد میں رہنے والے سادات خاندان کے سربراہ تھے۔

ارشن آباد پر اب سادات کا مکمل قبضہ ہوچکا تھا اور اِس فتح کی خبر عبدالعزیز تک بھی پہنچ چکی تھی۔ شمران کے مارے جانے اور ارشن آباد کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر ایسی نہ تھی کہ وہ خاموش بیٹھا رہتا، سخت پریشان اور بے چین ہوا اور سادات سے بدلہ لینے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر سادات اسی طرح ایک ایک شہر اور ایک ایک صوبہ فتح کرتے رہے تو ایک دِن آئے گا جب وہ سارے افریقیہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، لہٰذا ابھی سے اُن کا راستہ روکنا اور ان کی قوّت کو کمزور کرنا ضروری ہے۔

اُس نے اپنے امیروں وزیروں سے مشورہ کیا۔ سب نے کہا کہ ابھی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ سادات کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے اور سیّد مہدی ہی کو ارشن آباد کا صوبے دار مقرّر کر دیا جائے تاکہ وہ خاموش ہو اور سادات بھی مطمئن ہو جائیں۔ اس کے بعد مہدی کہ کوہِ ندہام کے پہلوان اقطاع سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا جائے۔ اقطاع ایسا زبردست پہلوان ہے کہ آج تک کوئی اُسے شکست نہیں دے سکا ہے۔ مہدی اُس سے لڑنے جائے گا تو وہ اِس کا قصّہ پاک کر دے گا۔

یہ تدبیر عبدالعزیز کو بہت پسند آئی اور اُس نے تحفے تحائف غلاموں کے ہاتھ سیّد مہدی کے پاس روانہ کیے۔ اِس کے ساتھ یہ فرمان بھی بھیجا کہ آپ کو ارشن آباد کا نیا صُوبے دار تسلیم کرتے ہیں۔ شمران بہت نالائق اور ظالم آدمی تھا۔ یہ بہت اچھّا ہوا کہ آپ نے اُسے ہلاک کر دیا۔ ہم بھی

اُس کے ہاتھوں بہت عاجز و پریشان تھے وغیرہ وغیرہ۔

ارشن آباد کی فتح سے سادات کا یہ بکھرا ہوا خاندان پھر ایک جگہ جمع ہو گیا۔ بچھڑے ہوئے عزیز رشتے دار ایک دوسرے سے ملے۔ بہت خوشیاں منائی گئیں اور راتوں کو چراغاں کیا گیا۔

سیّد مہدی کی والدہ اور نانا بھی ارشن آباد پہنچ گئے اور سیّد رکن الدّین سے ملے۔ مہدی کی والدہ وجیہہ خاتون نے رکن الدّین کی بیٹی ماہِ عالَم کو دیکھا اور بہت پسند کیا۔ اُنھوں نے سوچا، اگر ماہِ عالَم کی شادی سیّد مہدی سے ہو جائے تو دونوں گھرانے بہت قریب آ جائیں گے۔ چناں چہ اُنھوں نے سیّد رُکن الدّین کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کی۔

رکن الدّین پہلے ہی سیّد مہدی کو بہت پسند کرنے لگے تھے۔ اُنھوں نے فوراً یہ درخواست منظور کر لی اور ایک مبارک گھڑی دیکھ کر اپنی بیٹی ماہ عالم

کا نکاح سیّد مہدی سے کر دیا۔

اِدھر سیّد مہدی اپنی شادی کی خوشیوں میں گُم تھے اور اُدھر افریقیہ کا حاکم عبدالعزیز اندر ہی اندر اُن سے اِنتقام لینے کی تدبیری سوچ رہا تھا۔ جب ارشن آباد کی فتح کو ایک مہینا گزر گیا تو ایک روز اُس نے اپنے خاص غلام کے ہاتھ سیّد مہدی کے نام رقعہ بھیجا، جس میں کہا گیا تھا کہ کوہ ندہام کے صُوبے دار اِقطاع پہلوان نے بغاوت کا اِعلان کر دیا ہے اور جنگ پر آمادہ ہے۔ اِس لیے تمھیں حُکم دیا جاتا ہے کہ فوراً کوہ ندہام کی جانب کوچ کرو اور اِقطاع پہلوان کو اِس بغاوت کی سزا میں موت کے گھاٹ اُتارو۔

عبدالعزیز نے اِدھر تو سیّد مہدی کے نام یہ پیغام بھیجا، اُدھر ایک قاصد اِقطاع کے پاس بھی روانہ کیا اور اُس کے نام جو خط بھیجا اُس میں لکھا کہ جوں ہی سیّد مہدی تمھارے پاس آئے، اُسے فوراً کسی حیلے بہانے موت کے

گھاٹ اُتار دو۔

یہ تدبیر اختیار کرنے سے عبدالعزیز کو دو فائدے نظر آئے۔ ایک یہ کہ سیّد مہدی کا کانٹا نکل جائے گا اور دوسرا یہ کہ اِقطاع جیسے زبردست پہلوان سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ جو آگے چل کر کسی بھی وقت اُس کی سلطنت کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ اسے کہتے ہیں، ایک تیر سے دو شکار۔ لیکن عبدالعزیز کہ یہ خبر نہ تھی کہ جسے خُدا رکھے اُسے کون چکھّے۔

سیّد مہدی اِن چال بازیوں سے بے خبر فوراً اپنی فوج لے کر کوہ ندہام کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے جابل شاہ کے سپہ سالار جبلان کوہِ تن کو ایک ہزار سوار دے کر پہلے ہی وہاں بھیج دیا تھا تاکہ اِقطاع پر رُعب بیٹھ جائے۔ خود سیّد مہدی تیس ہزار فوجی سپاہی لشکر میں شامل کر کے بڑی آن بان سے

منزلوں پر منزلیں مارتا ہوا چلا۔

جب وہ کوہِ ندہام سے تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو اِقطاع پہلوان کی جانب سے ایک قاصد آیا اور یہ پیغام دیا کہ اے سیّد زادے، میری تمہاری کوئی دُشمنی نہیں ہے۔ یہ حاکم افریقیہ عبدالعزیز کی عیّاری ہے۔ وہ مُجھے اور تمہیں آپس میں لڑا کر اپنا مطلب نکالنے کی فکر میں ہے۔ میں ہر طرح تمہارا خیر خواہ اور دوست ہوں۔ جو خدمت کہو، بجا لائے کو تیّار ہوں۔ جس قدر مال دولت چاہیے، مُجھ سے لے لو اور واپس تشریف لے جاؤ۔ جنگ کرنے سے فائدہ آپ کو نہ ہو گا۔ میرے قبضے میں بڑے بڑے چودہ مضبوط اور عالی شان قلعے ہیں۔ ایک قلعہ فتح کرو گے تو میں دوسرے قلعے میں جا بیٹھوں گا۔ دوسرا چھینو گے تو میں تیسرے میں چلا جاؤں گا۔ آخر کہاں تک مُجھ سے لڑو گے؟ اِس کے باوجود تمہارا جی مُجھ سے لڑنے ہی کو

چاہیے تو پھر مخلوقِ خُدا کا خُون بہانے سے کیا حاصل ہو گا؟ صرف مُجھ ہی سے مُقابلہ کرو۔ اگر تُم نے کُشتی میں مُجھے پچھاڑ دیا تو میں اپنی ہار مان لوں گا اور ہر طرح تمہاری اِطاعت کے لیے تیّار ہو جاؤں گا۔ یہ آخری شرط منظور ہو تو اِطلاع دو۔ میں اپنے اکھاڑے میں تم سے کُشتی لڑوں گا، جو یہاں سے بارہ میل دُور ایک کوہستان میں ہے۔ مہدی نے اِقطاع کا پیغام غور سے سُنا اور کُشتی لڑنے کی شرط منظور کر لی۔ اقطاع پہلوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہدی کے استقبال کے لیے آیا اور نہایت عزّت و احترام سے گاڑی میں سوار کرا کے کوہستان میں لے گیا۔

مہدی نے دیکھا کہ ایک بہت لمبا چوڑا سر سبز میدان ہے، جس کے چاروں طرف آسمان کو چومتے ہوئے پہاڑ ہیں۔ اِس میدان کے بالکل بیچ میں ایک عالی شان درخت ایسا ہے کہ اُس کے سائے میں کم از کم ایک ہزار آدمی

آرام کر سکتے ہیں۔ اُس کے پتّے گہرے لال رنگ کے اور پھل انار سے ملتے جلتے تھے۔

مہدی نے اقطاع سے اُس درخت کا نام پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں جو اِس درخت کا نام جانتا ہو اور یہ بھی سُن لیجیے کہ ایسا کوئی اور درخت ہر گز کہیں نہ دیکھے گا۔ کیوں کہ اِس کے ہر پتّے پر عربی زبان میں لکھا ہے کہ یہ شجرِ عجیبہ کا پتّا ہے، لہٰذا اِسے شجرِ عجیب ہی کہہ لیجیے۔

دوسرے دِن اِس درخت کے سائے میں دونوں کی فوجیں آمنے سامنے جمع ہوئیں اور مہدی نے اقطاع کے مُقابلے میں جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اُس کی فوج کے ایک شہ زور پہلوان امجد سلطان نے اسے روکا اور کہا :

"ٹھہر جائیے! آپ ہماری فوج کے سردار ہیں۔ پہلے ہم غلاموں کو میدان

میں جانے کی اجازت دیجیے ۔ اگر اقطاع نے ہمیں پچھاڑ دیا، تب آپ اس سے مقابلے کے لیے نکلیے گا۔"

سیّد مہدی نے اُس کی یہ درخواست قبول کی اور امجد سلطان اکھاڑے میں آتا۔ اقطاع بھی لنگوٹ باندھے اکھاڑے میں آیا۔ دونوں میں داؤ پیچ شروع ہوئے ۔ کبھی امجد سلطان اقطاع کو دبا لیتا، کبھی اقطاع اسے گرا لیتا۔ ایسے ایسے داؤں ہوئے کہ دیکھنے والوں نے بے اختیار دونوں کی تعریف کی۔

آخر وہ وقت بھی آیا جب امجد سلطان نے اقطاع کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور چاہتا تھا کہ زمین پر دے مارے کہ یکایک اقطاع نے درخت کی جانب دیکھ کر مُنہ ہی مُنہ میں کُچھ پڑھا۔ اُسی وقت درخت کی طرف سے کسی پرندے کے بولنے کی آواز آئی۔ یہ آواز اقطاع کے علاوہ کسی اور نے نہ

سُنی۔ اُسی وقت اقطاع نے زور کیا اور امجد سلطان کو زمین پر گرا کر پچھاڑ دیا۔

اس کے بعد مہدی کے لشکر میں سے دوسرا پہلوان نکلا اور اقطاع سے کُشتی لڑنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کا حشر بھی امجد کا سا ہوا۔ اس طرح شام تک انتیس پہلوان اقطاع نے پچھاڑے۔ ہر بار پرندے کی آواز اُسی درخت سے آتی اور مہدی کے لشکر کا پہلوان بے بس ہو کے چاروں شانے چِت ہو جاتا۔

سیّد مہدی، جابل شاہ اور جبلان کوہ تن حیران تھے کہ آخر اِقطاع پہلوان کے پاس ایسی کون سی طاقت ہے جو اتنے بڑے بڑے پہلوانوں کو زیر کیے جاتا ہے۔ آخر میں جبلان کوہ تن کو بھی اُس نے پچھاڑ دیا اور سیّد مہدی کو للکار کر مُقابلے کے لیے میدان میں آنے کی دعوت دی۔

اِس موقع پر جابل شاہ نے اکھاڑے میں اُترنے کی ضِد کی لیکن مہدی نے

اُسے روک دیا۔ فوراً لنگر لنگوٹ کسا اور خُدا کا نام لے کر میدان میں آیا۔ سیّد مہدی کا خوب صورت جسم دیکھ کر اقطاع حیرت زدہ رہ گیا اور اُس پر خوف کی حالت طاری ہو گئی۔ سیّد مہدی نے زور آزمائی شروع کی۔ کہتے ہیں تین دِن تک برابر کُشتی ہوتی رہی۔ اِس دوران میں ہر چند اقطاع نے بار بار درخت کی طرف دیکھا مگر پرندے کی آواز کان میں نہ آئی۔ آخر سیّد مہدی نے اللہ اکبر کا نعرہ مار کر اقطاع کو اُٹھا لیا اور اِس زور سے زمین پر مارا کہ اُس میں دوبارہ اٹھنے کا حوصلہ ہی نہ رہا۔ فوراً بڑھ کر مہدی کے قدم چومے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا۔ سیّد مہدی نے اُسے اُٹھا کر گلے سے لگایا۔

اقطاع انہیں اپنے اِس عظیم الشّان قلعے میں لے گیا جہاں وہ دربار کیا کرتا تھا۔ کئی روز تک سیّد مہدی اور اُس کی فوج کی خاطر تواضع کی۔ طرح طرح کے عمدہ اور لذیذ کھانے پکوائے اور تحفے تحائف بھی پیش کیے۔ پھر ایک

دِن اُس نے یُوں اپنی داستان سُنائی :

"میرا اصل نام شوئم ہے اور میں ایک یہودی کا بیٹا ہوں۔ شروع ہی سے مُجھے پہلوانی اور سپہ گری کا شوق تھا لیکن میرا یہودی باپ مُجھے تجارت کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ میں دولت جمع کرنے کے کام میں اُس کا ہاتھ بٹاؤں۔ دراصل وہ دولت کا بے حد لالچی تھا اور روپیہ جمع کرنے کی ہوس میں اُسے جائز و ناجائز کا کبھی خیال نہ آیا۔

ایک روز اُس نے کسی نادار اور بیوہ عورت کا زیور اونے پونے خریدا۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ یہ بے چاری غریب عورت ہے۔ کوئی اِس کا پُرسانِ حال نہیں۔ اِس کے زیوروں کی پوری قیمت ادا کرو، ورنہ خُدا کا غضب تُم پر نازل ہوگا۔ یہ سُن کر میرا لالچی اور کنجوس باپ سخت ناراض ہوا اور لکڑی لے کر مُجھے اِس قدر پیٹا کہ میرا جوڑ جوڑ دُکھنے لگا۔ پھر اُس نے مُجھے

ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا، جہاں میں تین دِن تک بھوکا پیاسا بند رہا۔ آخر میرے باپ کے غُلام سلیم نے مُجھے موقع پا کر آزاد کر دیا۔

میں وہاں سے بھاگ نکلا اور سیدھا دریا پر گیا۔ یہ اُمّید تھی کہ کوئی ملّاح مُجھے دوسرے کنارے پر لے جائے گا۔ لیکن کوئی بھی میری مدد کرنے کو تیّار نہ ہوا۔ شام تک ملّاحوں کی خوشامد کرتا رہا۔ مگر کسی کا دِل نہ پسیجا۔ وہ سب کے سب یہودی تھے اور اگر اُنہیں پتا چل جاتا کہ میں گھر سے بھاگ کر آیا ہوں تو دوبارہ مُجھے پکڑ کر میرے باپ کے پاس لے جاتے۔ اتّفاق سے میری جیب میں پھُوٹی کوڑی بھی نہ تھی، ورنہ میں کبھی کا دریا پار ہو جاتا۔

اتنے میں ایک مچھیرا وہاں آیا اور چکنی چُپڑی باتیں کر کے مُجھے اپنے گھر لے گیا۔ اُس نے مُجھے روٹی کھانے کو دی۔ پھر پینے کے لیے پانی لایا۔ خُدا جانے ظالم نے پانی میں کیا ملایا کہ اُسے پیتے ہی میں بے ہوش ہو گیا۔ آنکھ

کھُلی تو اپنے آپ کو پھر اندھیری کوٹھڑی میں پڑے پایا۔ ہلنے جُلنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پتا چلا کہ ماہی گیر نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیے ہیں۔ اُسی کوٹھڑی میں اُس نے مچھلیوں کا ذخیرہ بھی کر رکھا تھا۔ اُن کی بدبُو سے میرا دماغ پھٹنے لگا اور میں پھر بے ہوش ہو گیا۔

قِصّہ مُختصر اُس ماہی گیر نے مُجھے بڑی تکلیفیں دیں۔ وہ بُت پرست تھا اور اُس نے مُجھے بُت پرستی پر مجبور کیا۔ جب میں نہ مانا تو اُس نے ایک شخص اثقل نامی کے ہاتھ مُجھے بیچ ڈالا۔ یہ شخص ماہی گیر سے بھی زیادہ بے رحم ثابت ہوا۔ دِن رات مُجھ سے گدھوں کی طرح کام لیتا اور ذرا ذرا سے قصور پر چار چوٹ کی مار مارتا۔ میں زندگی سے بیزار ہو گیا۔

ایک دِن خُدا سے اِس مُصیبت سے چھٹکارا پانے کی دُعا مانگتے مانگتے اور روتے روتے نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ مُجھ سے

کہہ رہے ہیں کہ خوش ہو جا۔ تیری دُعا خُدا نے سُن لی اور اثقل کو اس کے ایک دُشمن نے قتل کر دیا۔ اثقل کا ایک بیٹا تھا۔ جسے وہ اقطاع کہہ کر پُکارا کرتا تھا۔ اثقل کے دُشمن نے اقطاع کو بھی مار ڈالا تھا۔

یہ خواب دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھُل گئی اور میں نے وہاں سے بھا گنے کی ٹھان لی۔ اب جو آئینے میں اپنی صورت دیکھتا ہوں تو عقل چکرا جاتی ہے۔ میری شکل ہو بہُو اثقل کے بیٹے اقطاع کی سی ہو گئی تھی۔ اتنے میں اثقل کے رشتے دار روتے پیٹتے آتے ہیں اور مُجھے اقطاع سمجھ کر گلے سے لگا لیتے ہیں۔

چند روز بعد پھر وہی بزرگ مُجھے خواب میں دِکھائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے یہودی کے نیک بخت بیٹے، اب اثقل کا تمام مال اسباب سمیٹ اور یہاں سے مغرب کی جانب چل۔ وہاں ایک مُقام کوہِ ندہام ہے۔ اِس جگہ

اپنے رہنے کے لیے قلعے تعمیر کر، اپنی فوج بنا اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کر۔ کُچھ مُدّت بعد ایک نوجوان سیّد زادہ تُجھ سے جنگ کرنے آئے گا۔ خبردار! اُس سے ہرگز عداوت نہ کرنا بلکہ اُس کی اطاعت قبول کرنا۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ شجرِ عجیب کے سائے میں سیّد زادے کے پہلوانوں سے کُشتی لڑنا۔ جب وہ گرنے لگے گا، تب درخت کی جانب سے ایک پرندے کی آواز تیرے کان میں آئے گی۔ اُس کی آواز کے اثر سے تو ہر پہلوان پر قابو پانے میں کام یاب ہو گا۔ لیکن سیّد زادہ تُجھے پچھاڑنے کے لیے آئے گا تو اِس پرندے کی آواز کُچھ اثر نہ کرے گی۔ میں نے اُس بزرگ کی ہدایت کے بعد کوہِ ندہام پر قبضہ کیا، قلعے بنوائے اور اب آپ نے تشریف لا کر مُجھے زیر کیا۔"

اقطاع کی یہ کہانی سُن کر سب حیران ہوئے۔ مہدی نے اُس سے خواب

میں دِکھائی دینے والے بزرگ کا حُلیہ پوچھا۔ اُس نے وہ حُلیہ بتایا جو شیخ مغربی سے ملتا جُلتا تھا۔ اِس بات سے مہدی اور حیران ہوا۔

ایک رات سیّد مہدی نے خواب میں اپنے والد سیّد عبداللہ شہید کی زیارت کی۔ عبداللہ شہید نے کہا :

"بیٹا، میں تمہارا باپ ہوں اور مُجھے شمران سنگ دل کے غلاموں نے بے گناہ شہید کیا تھا۔ یہ تُم جانتے ہو کہ شہید مرا نہیں کرتے، زندہ رہتے ہیں اور اُنہیں خُدا کی طرف سے رزق ملتا رہتا ہے۔ اب خُدا کی مصلحت یہ ہے کہ تُم اِسی وقت بیدار ہو کر اپنے گھوڑے پر بیٹھو اور اقطاع کے قلعے سے نکل کر دائیں جانب روانہ ہو جاؤ۔ تمہارے سامنے ایک تنگ پہاڑی درّہ آئے گا۔ اُس کے قریب ہی ایک درخت ہے۔ اُس کے پتّے دودھ کی طرح سفید اور پھُول سبز ہیں۔ اِس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر پوری قوّت

سے اللہ اکبر کا نعرہ مارنا۔

تھوڑی دیر بعد ایک زبردست جِن چہرے پر نقاب ڈالے، ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں دس من وزنی لوہے کا گُرز لیے درخت میں سے نکلے گا۔ تُم اُسے سلام کرنا اور کہنا کہ اے عِماد جن، میں سیّد مہدی ہوں اور خُدا کے حُکم سے اِس طِلسم جبّاران کو توڑنے آیا ہوں۔ یہ سُن کر عِماد جن غُصّے سے لال پیلا ہو گا اور گرج کر کہے گا کہ اے آدم زاد، تُجھے پہلے امتحان دینا ہو گا۔ تو اس امتحان میں پورا اُترے گا، تب یہ گرز تیرے حوالے کروں گا۔ تُم کہنا کہ بے شک امتحان کر لو۔ میں ہر طرح تیّار ہوں۔ پھر یہ اسمِ اعظم ستّر مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لینا۔

اِس کے بعد عِماد جِن سے کہنا کہ وار کرے۔ وہ اپنا دس من وزنی لوہے کا گُرز بُلند کر کے تمہارے سر پر مارے گا۔ تُم اُسے اپنی ڈھال پر روک لینا۔

اِس ضرب کی شدّت سے پہاڑوں پر لرزہ طاری ہو گا اور پتھرّوں میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلیں گے۔ تُم ہنس کر عِماد جن سے کہنا کہ دوسرا وار کرو۔ میں ایسی باتوں سے کب ڈرتا ہوں۔ وہ غضب ناک ہو کر تین مرتبہ گُرز مارے گا اور تُم پر انشاء اللہ کوئی اثر نہ ہو گا۔

یہ دیکھ کر عِماد جن تمہارا نام پوچھے گا، پھر طِلسم کا نام دریافت کرے گا۔ اپنا نام بتا کر کہنا کہ اِس طِلسم کو طِلسم آہوان بھی کہتے ہیں۔ یہ سُنتے ہی وہ جِن تمہارے آگے گردن جھُکا کر سلام کرے گا اور اپنا گرز تمہارے حوالے کر دے گا۔ اُس سے وعدہ لینا کہ جب بھی تُم اُسے بُلاؤ گے، وہ فوراً حاضر ہو گا۔

"عِماد جِن یہ وعدہ کرتے ہی غائب ہو جائے گا۔ جِن کے غائب ہوتے ہی ایک ہولناک آواز پیدا ہو گی۔ پہاڑ ایک دوسرے پر ٹوٹ کر گریں گے۔

درختوں میں آگ لگ جائے گی اور چاروں طرف گھُپ اندھیرا چھا جائے گا۔ اِن آوازوں سے تُم ہرگز خوف نہ کھانا۔ جس مقام سے عماد جِن برآمد ہوا تھا، وہیں ایک گہرا کُنواں نمودار ہو گا۔ اپنے آپ کو اُس گرز سمیت کنویں میں گِرا دینا۔ جب تمہارے قدم زمین سے لگیں تو آنکھیں کھول دینا۔ یہ ایک عالی شان مکان ہو گا۔

اِس مکان میں لکڑی کے خوب صورت تخت پر ایک صندُوق رکھا ہے۔ صندُوق پر پتھرّ سے ہرن کی شکل بنائی گئی ہے۔ جوں ہی تُم اِس صندُوق کے قریب پہنچو گے ہرن میں سے رونے چلّانے کی آوازیں بُلند ہوں گی اور اُسی وقت ایک گوشے سے کالے رنگ کا لمبا سانپ پھنکارتا ہوا تمہاری طرف لپکے گا، لیکن تمہیں اِس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ گرز سمیت تخت کی جانب چھلانگ لگانا اور اُس پر چڑھ جانا۔ خبردار! تخت کو

تمہارا ہاتھ بالکل نہ لگے، ورنہ تُم اُسی وقت پتھرّ کے ہو جاؤ گے۔

تخت پر چڑھتے ہی لوہے کا گرز ہرن کے سر پر مارنا۔ ہرن کے سر سے آگ کی چنگاریاں پھوٹیں گی اور کالے سانپ کر جلا کر راکھ کر دیں گی۔ اِس کے بعد صندُوق کھولنا۔ اُس کے اندر سے سونے کی ایک تختی برآمد ہو گی۔ یہ تختی تمہارے بہت کام آئے گی۔ آئندہ جو کُچھ کرنا ہو، وہ اُسی تختی کو دیکھ کر کیا کرنا۔ اُس پر تمام ہدایات درج ہوں گی۔ اب جلد اپنی مُہم پر روانہ ہونے کی تیّاری کرو اور ہمارے حق میں دُعا کیا کرنا۔" یہ کہتے ہی سیّد عبداللہ غائب ہو گئے۔

طِلسم جبّاران کے عجیب واقعات

مُحمّد مہدی کی آنکھ کھلی تو رات کا پچھلا پہر تھا۔ پہرے داروں کے سوا ہر شخص خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ مہدی دبے پاؤں اپنی مسہری سے اُترا، کپڑے بدلے، ہتھیار لگائے اور قلعے سے نکل کر اصطبل میں پہنچا، جہاں اُس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔

گھوڑا اپنے آقا کر دیکھ کر خوشی سے ہنہنایا۔ مہدی نے اُس پر زین اور

کاٹھی ڈالی، رکاب میں پاؤں رکھا اور آہستہ آہستہ اُس جانب روانہ ہوا جس کا پتا سیّد عبداللہ شہید نے اُسے خواب میں بتایا تھا۔

کُچھ فاصلے پر دو پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ درّہ دِکھائی دیا۔ اُس کے قریب ہی وہ نِرالا درخت کھڑا تھا جس کے پتّے دودھ کی طرح سفید اور پھول سبز تھے۔ درخت کی شاخیں پہاڑ کی چوٹی کو چھوتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ مہدی نے درخت پر نگاہ ڈالی تو خُدا کی شان سے دِل کانپ اُٹھا۔ نزدیک جا کر پوری قوّت سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ اِس نعرے کی آواز سے صحرا اور پہاڑ گونج اُٹھے۔ اُسی وقت درخت کا تنا درمیان میں سے شق ہوا اور ایک نقاب پوش جِن ایک ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار اور دوسرے ہاتھ میں دس من کا گرز سنبھالے نمودار ہوا۔ اُس جِن کا قد کوئی چھ آدمیوں کے برابر ہو گا۔ ہاتھ پاؤں اتنے موٹے جیسے ہاتھی کے پاؤں، جسم کا رنگ بالکل سیاہ۔

"کیا تُم ہی عِماد جِن ہو؟" سیّد مہدی نے پوچھا۔

جِن نے قہقہہ لگایا اور اُس کی خوف ناک آواز سے ایک بار پھر پہاڑ گونج اُٹھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ اس نے پہلے تلوار ہلائی، پھر گرز اُوپر اُٹھایا۔ اس کے بعد بولا:

"اے آدم زاد، تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ کیا جانتا نہیں کہ میں اِس طِلسم کا حاکم ہوں؟ اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو فوراً یہاں سے واپس چلا جا ورنہ گرز مار کر تیری کھوپڑی پاش پاش کر ڈالوں گا۔"

"میں نے تُم سے صرف نام پوچھا تھا۔" مہدی نے ڈرے بغیر کہا۔ "تُم نے اپنا نام تو بتایا نہیں اور تقریر شروع کر دی۔ کیا تُم ہی عِماد جِن ہو؟"

"ہاں۔ میں ہی عِماد ہُوں۔ بولو، کیا کام ہے مُجھ سے؟"

”مہربانی فرما کر اپنا یہ گرز مُجھے دے دو۔“ مہدی نے کہا۔ ”اب وقت آگیا ہے کہ میں اِس طِلسم کو فتح کروں۔“

یہ سُننا تھا کہ عماد جِن آگ بگولا ہو گیا اور بولا :

”میں ایک ہزارہ سال سے اِس طِلسم کا محافظ ہوں۔ آج تک سینکڑوں آدم زاد اِسے فتح کرنے آئے، لیکن کسی کو واپس جانا نصیب نہ ہوا۔ اُسے صرف ایک شخص فتح کر سکتا ہے اور کتابوں میں اُس کا نام سیّد محمد مہدی لکھا ہے۔ اب بھی کہتا ہوں واپس چلے جاؤ۔ مُجھے تمہاری جوانی پر ترس آتا ہے۔“

اِس مرتبہ سیّد مہدی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ”ارے بے وقوف، میرا ہی نام سیّد محمد مہدی ہے۔ لا، یہ گرز میرے حوالے کر۔ وقت نکلا جاتا ہے۔“

"کیا خوب! اچھّے آئے مُجھے بے وقوف بنانے کے لیے۔ جو آتا ہے، اپنا نام محمد مہدی ہی بتاتا ہے۔ اِس کا کیا ثبوت کہ تمھارا نام واقعی محمد مہدی ہے؟"

"جیسا جی چاہے امتحان کرلو۔" مہدی نے کہا۔

"اچھّا، یہ بات ہے۔" عِماد جِن نے کہا۔ "لو، پھر تیّار ہو جاؤ۔ میں تین مرتبہ گرز تمھارے سر پر ماروں گا۔ اگر تُم واقعی سیّد مہدی ہوئے تو تمھیں کُچھ نقصان نہ پہنچے گا، ورنہ پہلے ہی وار میں تمھاری چٹنی ہو جائے گی۔"

"مُجھے منظور ہے۔ وار کرو!"

یہ کہہ کر مہدی نے جلدی جلدی ستّر بار اسمِ اعظم پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا۔ اِدھر عِماد جِن نے گرز اُٹھا کر دھائیں سے مہدی کے سر پر مارا۔ مہدی نے

پھرتی سے یہ حملہ اپنی ڈھال پر روکا اور ہنس کر کہا :

"اے جِن، خوب سمجھ لے کہ میں ایسی باتوں سے ڈرنے والا نہیں۔ میرا خیال تھا تیرے بازوؤں میں کُچھ طاقت ہوگی، مگر اب پتا چلا کہ جو گرجتے ہیں، وہ برستے نہیں۔"

یہ سُن کر عِماد جِن کو اور تاؤ آیا۔ اُس نے چلّا کر کہا۔ "ارے آدم زاد، سنبھل۔ اب دوسرا وار کرتا ہوں۔"

اِس کے ساتھ ہی اُس نے دُگنی قوّت سے گرز مہدی کے سر پر مارا۔ ایک بار پھر مہدی نے عِماد جِن کا حملہ ڈھال پر آسانی سے روک لیا۔ یہ ضرب اگر کسی اور پر پڑتی تو واقعی پانی نہ مانگتا اور اُس کا قیمہ ہی ہو جاتا۔ لیکن مہدی پہ اسمِ اعظم کی برکت سے ذرّہ برابر اثر نہ ہوا۔ عِماد جِن نے جھلّا کر تیسرا حملہ کیا اور اِس زور سے گرز مارا کہ پہاڑ کانپنے لگے اور پتھرّوں میں سے پانی کے

چشمے پھُوٹ نکلے۔

"واقعی تُم سیّد مہدی ہو۔" عِماد جِن نے گرز ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ پھر جھُک کہ مہدی کے پیروں کو بوسہ دیا اور بولا۔ "حضرت، آج سے میں آپ کا غُلام ہوں۔ یہ گرز آپ کی نذر ہے۔ اور سچ پوچھے تو گرز کیا، آپ کے لیے جان بھی حاضر ہے۔"

سیّد مہدی نے وہ دس مَن وزنی گرز آسانی سے اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ عِماد جِن بھی غائب ہے اور وہ عجیب و غریب درخت بھی اپنی جگہ موجود نہیں، اور نہ وہ پہاڑی درّہ ہی دِکھائی دیتا ہے جس میں سے گزر کر مہدی اِدھر آیا تھا۔

ابھی حیران پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ زمین ہلنے لگی اور چٹّانیں آپس میں ہولناک آوازوں کے ساتھ ٹکرانے لگیں۔ جنگل میں آگ کے

شعلے اُٹھنے لگے اور دیکھتے دیکھتے آسمان تک پہنچے۔ پھر اگ بُجھ گئی، شور بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور اندھیرا پھیلنے لگا۔ ایسا گھُپ اندھیرا چھایا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ مہدی اپنی جگہ کھڑا رہا۔ بہت دیر بعد اندھیرا دُور ہوا اور بہت تیز روشنی نمودار ہوئی جو ایک گہرے کنویں میں سے آ رہی تھی۔ مہدی نے کنویں میں جھانکا تو کُچھ نظر نہ آیا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ آنکھیں چکا چوند ہوئی جاتی تھیں۔ خُدا کا نام لے کر اُس نے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ ایسا لگا جیسے وہ ہوا میں اُڑتا جا رہا ہے۔ خاصی دیر بعد اُس کے پاؤں زمین پر لگے۔

آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک خوش نما عالی شان مکان میں پایا، جس میں بے حد قیمتی سامان ہر کمرے میں بھرا ہوا تھا۔ لیکن تعجّب کی بات یہ تھی کہ وہاں آدمی تھا نہ آدم زاد۔ ہر طرف سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ سیّد مہدی نے ہر

کمرے میں جھانکا، مگر وہ صندُوق جس کا ذکر خواب میں سیّد عبداللہ شہید نے کیا تھا، کہیں نظر نہ آیا۔ آخر ایک چھوٹی سی کوٹھری کھولی اور دیکھا کہ وہ صندُوق وہاں لکڑی کے تخت پر دھرا ہے۔ نزدیک جا کر معائنہ کیا تو پتا چلا کہ اُس کے اوپر پتھرّ کا بنا ہوا ایک خوب صورت ہرن رکھا گیا ہے۔ مہدی نے جُوں ہی ہرن کے اُس بُت کر ہاتھ لگایا، اس میں سے رونے اور چلّانے کی بھیانک آوازیں آنے لگیں۔ آناً فاناً ایک کالا سانپ کوٹھڑی کے کونے میں سے پھُنکارتا ہوا نکلا اور مہدی کی طرف اپنی سُرخ سُرخ زبان لہراتا ہوا لپکا۔

مہدی نے چھلانگ لگائی، سیدھا تخت پر جا چڑھا اور پتھرّ کے ہرن پہ گُرز دے مارا۔ ہرن کے سر سے آگ کے شُعلے نکلے اور سانپ کو گھیر کر جلانے لگے۔ سانپ بُری طرح بل کھانے اور تڑپنے لگا، لیکن دیکھتے

دیکھتے وہاں راکھ کے سفید ڈھیر کے سوا کُچھ نہ تھا۔

مہدی نے صنڈُوق کا ڈھکنا اٹھایا۔ سونے کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی لَوح (تختی) صندوق کے بیچوں بیچ رکھی تھی۔ مہدی نے بسم اللہ کہہ کر لَوح اُٹھا لی اور اُسے غور سے دیکھا۔ اُس پر یہ عبارت لکھی تھی :

"اے وہ شخص جس کے ہاتھ میں یہ لَوح ہے، اُسے جانتا ہے کہ جس طرف سے کالا سانپ آیا تھا، اُسی کونے میں ایک سوراخ ہے۔ دیوار کی اینٹیں ہٹا کر باہر نکل۔ اپنے آپ کو ایک سر سبز صحرا میں پائے گا۔ جب صحرا میں پہنچ جائے تو پھر لَوح کو دیکھ لیجیو۔ خبردار! لوح کو دیکھے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔"

سیّد مہدی نے لَوح کو حفاظت سے جیب میں رکھا اور جِدھر سے کالا سانپ نکلا تھا۔ اُدھر جا کر دیکھا۔ وہاں واقعی دیوار میں اتنا سوراخ موجود تھا جس میں

سے ایک دُبلا پتلا آدمی باہر نکل سکتا تھا۔ لیکن سیّد مہدی طاقت ور جوان کے لیے اُس میں سے نکلنا مُشکل تھا۔ چناں چہ مہدی نے اُس سُوراخ کی اینٹیں نکال کر کچُھ اور چوڑا کیا۔ پھر باہر قدم رکھا۔

اُس کا خیال تھا کہ لَوح نے جس سر سبز صحرا کا ذکر کیا تھا، وہ سوراخ سے باہر جاتے ہی دِکھائی دے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ وہ سوراخ ایک لمبی تاریک سُرنگ بن گیا، جس کے اندر وہ نہ جانے کتنی دیر یوں ہی چلتا رہا۔ چلتے چلتے تھک جاتا تو دم لینے کے لیے دو چار لمحے رُکتا اور پھر چل پڑتا۔ سُرنگ آج ختم ہوتی ہے نہ کل۔

سیّد مہدی گھبرایا کہ یہ کیا طِلسم (جادُو) ہے، کہیں اِس میں پھنس کر تو نہیں رہ گیا! جیب سے لَوح نکالی سوچتا تھا اِس اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ تو سجھائی نہیں دیتا، لَوح کیا دکھائی دے گی۔ مگر لَوح پر نگاہ ڈالی تو حیران رہ گیا۔

اُس پر جو عبارت درج تھی، اُس کے حروف قُمقُموں کی مانند روشن تھے۔ لکھا تھا۔

"اے لوح کے مالک، گھبرانے سے کام نہ چلے گا۔ اپنے دِل کو مضبوط کر اور برابر قدم بڑھائے چلا جا۔ سُرنگ طِلسم جبّاران کا پہلا مرحلہ ہے۔ آگے اِس سے بھی زیادہ کٹھن اور دشوار معاملات پیش آئیں گے۔ خُدا کو یاد کرتا رہ اور جب بھی کوئی مشکل درپیش ہو اِس لَوح سے مدد لے۔"

تین دِن اور تین راتیں، اپنے اندازے کے مطابق وہ سُرنگ میں چلتا رہا۔ بھُوکا پیاسا اور تھکن کے مارے بُرا حال، پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ جوں جوں آگے بڑھتا، اندھیرا اور گہرا ہوتا گیا۔ اِس کے ساتھ ساتھ بے پناہ ٹھنڈ نے آن گھیرا۔ خُون رگوں میں جمنے لگا۔ ہاتھ پیر بُری طرح ٹھٹھرنے لگے۔ بار بار لَوح کو پریشان ہو کر دیکھتا اور ہمیشہ یہی لکھا پاتا کہ

ہمّت نہ ہارو۔ آگے بڑھتے رہو۔ بس یہ مُشکل مرحلہ سر ہونے ہی والا ہے۔

ساتویں روز جب کہ اُس کی جان لبوں پہ آ چُکی تھی دُور روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ پھر آہستہ آہستہ یہ روشنی بڑھنے لگی۔ سیّد مہدی نے چلنے کے بجائے دوڑنا شروع کر دیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سُرنگ کے دہانے پر ایک خوب صورت دروازہ بنا ہے اور اُس دروازے میں کبوتر کے انڈے کے برابر الماس اور موتی جڑے ہیں۔ یہ روشنی اُن ہی جواہر میں سے پھُوٹ رہی ہے۔

جُوں ہی اُس نے دروازے کی چوکھٹ پر پاؤں رکھا عین سامنے ایک سر سبز اور خُوش نُما باغ نظر آیا جس میں سینکڑوں قسم کے پھل دار درخت لگے تھے۔ جا بجا چھوٹی چھوٹی نہریں رواں تھیں، پانی کے فوّارے اُچھل رہے

تھے۔ عجیب عجیب رنگوں کے پھول تھے جن کی خوش بُو سے سارا باغ مہک رہا تھا۔

مہدی نے جی بھر کر پھل کھائے اور پانی پیا۔ کسی قدر جان میں جان آئی۔ یہ باغ ایک پہاڑ کے دامن میں تھا۔ یکایک پہاڑ کی چوٹی سے سینکڑوں چھوٹے بڑے ہرن اُترتے دِکھائی دیے۔ اُن کا رنگ سنہری تھا۔ سینگوں پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے اور گردنوں میں موتیوں کے ہٹّے پڑے ہوئے تھے۔

ان میں ایک ہرن سب سے بڑا تھا اور اُس پر ایک خُوب صورت شہزادی سر پر سونے کا تاج پہنے سوار تھی۔ مہدی حیرت سے سوچنے لگا، یہ ہرن کہاں سے آئے اور یہ شہزادی کون ہے؟ اِس کا پتا لگانا چاہیے۔ تھوڑی دیر شہزادی باغ میں گھومتی رہی، پھر ہرن پر سوار ہو کر واپس چلی۔ مہدی

بھی ایک درخت کے پیچھے سے نکلا اور شہزادی کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر وہ تمام سنہری ہرن اور شہزادی ایک عالی شان محل میں داخل ہو گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ مہدی اُس محل کے پاس پہنچا تو اُس کو دیکھ کر خُدا کی شان یاد آئی۔

دروازے پر سفید ڈاڑھی، سفید مونچھوں اور سفید بھوؤں والا ایک بُوڑھا بیٹھا تھا۔ اُس کی عمر نو برس سے کم نہ ہو گی۔ ضعیفی کی وجہ سے گردن بھی ہِل رہی تھی۔ ہاتھوں میں بھی رعشہ تھا۔ شکل صورت نورانی پا کر مہدی نے خیال کیا، شاید یہ بڑے میاں کُچھ اتا پتا بتائیں کہ وہ شہزادی کون تھی اور یہ محل کس کا ہے۔ یہ سوچ کر آگے بڑھا اور بُوڑھے کو ادب سے سلام کر کے سارا احوال کہا۔ بُوڑھے نے جواب دیا:

"اے نوجوان، اسے طِلسم آہُواں کہتے ہیں۔ اِس کا دوسرا نام طِلسم

جبّاران بھی ہے۔ اِسے بنانے والا حکیم جبّار جادُو تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں ہوا ہے۔ بنی اسرائیل (یہودیوں) کی ایک قوم جبّاران نام کی تھی۔ یہ حکیم اُسی قوم سے تعلّق رکھتا تھا۔ اب تک اِس طِلسم کو بنے ہوئے ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ کوئی اِسے فتح نہیں کر سکا۔ آج کل حکیم جبّار جادُو کی نسل میں سے ایک شخص معزل شاہ اِس طِلسم کا بادشاہ ہے اور یہ عالی شان محل، یہ عظیم پہاڑ اور وہ سر سبز باغ سب معزل شاہ کے ہیں۔ ابھی ابھی جو شہزادی سنہری ہرن پر سوار محل میں گئی ہے، اُس کا نام غزالہ آہو چشم ہے۔ وہ معزل شاہ کی بیٹی ہے۔"

"اِس محل میں جانے اور معزل شاہ سے ملاقات کا طریقہ کیا ہے؟" مہدی نے پُوچھا۔

یہ سُن کر بُڈّھا بولا۔ "یہ کام تو بہت آسان ہے۔ پہلے اِس چشمے میں غُسل کرو۔ اِس کے بعد میرے ساتھ محل میں چلو۔ میں خود تمہاری ملاقات معزل شاہ سے کرادوں گا۔"

سیّد مہدی سوچے سمجھے بغیر چشمے کی طرف گیا، کپڑے اُتار کر ایک طرف رکھے اور پانی میں داخل ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد چشمے سے باہر نکل کر کنارے پر آیا تو ہوش اُڑ گئے۔ وہ بُڈّھا سیّد مہدی کے کپڑے، تلوار، گُرز اور سونے کی لَوح سمیت غائب ہوچکا تھا۔ اُس وقت وہ سمجھا کہ اِس بُڈّھے کے روپ میں کوئی عیّار دغا باز تھا جو اُس کا قیمتی گُرز اور لَوح لے اُڑا۔ اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ اِس وقت اپنی جلد بازی پر بہت پچھتایا کہ لَوح کیوں نہ دیکھی ورنہ اُس بُڈّھے کی سب حقیقت کھُل جاتی۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ ٹھنڈی آہ بھری اور اِسی بے چارگی کی حالت

میں ایک طرف روانہ ہوا۔

چلتے چلتے شام ہو گئی۔ آخر صحرا ختم ہوا۔ ایک شہر کے آثار نظر آئے۔ معلوم ہوا، اِس شہر کا نام آبادان ہے۔ لوگ یہاں کے نہایت سنگ دِل اور بے رحم ثابت ہوئے۔ کسی نے سیّد مہدی کو اجنبی مسافر سمجھ کر نہ تو کھانے کے لیے پوچھا، نہ تن ڈھانکنے کو کپڑے دیے۔ جس جگہ چند لمحے بیٹھ کر آرام کرنے کا اِرادہ کرتا، اُسی وقت کوئی نہ کوئی آن کر زبردستی اُسے اُٹھا دیتا۔ اِس طرح پھرتے پھراتے رات ہو گئی۔ آخر بھوک پیاس سے تھک ہار کر ایک مکان کے دروازے پر جا بیٹھا۔

اِتنے میں مکان کے اندر سے ایک شخص آیا اور سیّد مہدی سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور اِس شہر میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے؟"

مہدی نے مصلحت جان کر اپنا نام پتا اُسے نہ بتایا۔ صرف اتنا کہا۔ "بھائی،

ایک غریب مسافر ہوں۔ چشمے پر نہانے اُترا تھا، کوئی دغا باز میرے کپڑے اور سامان اُٹھا کر چمپت ہوا۔ اب سوچتا ہوں کیا کروں۔ اِس شہر میں کوئی میرا جاننے والا نہیں جس سے اپنی بپتا کہوں۔ ایک تُم وہ آدمی ہو جس نے مہربانی کر کے میرا حال پوچھا۔"

یہ سُن کر وہ شخص سیّد مہدی کو اپنے گھر میں لے گیا، پہننے کے لیے کپڑے دیے اور دستر خوان بچھا کر لذیذ کھانے سامنے رکھے۔ مہدی نے کھانا کھایا، پانی پیا اور خُدا کا شُکر بجا لایا۔ مالک مکان نے ایک جگہ بتائی کہ وہاں آرام کرو۔

آدھی رات کے بعد اُس شخص نے سیّد مہدی کو جگایا اور کہنے لگا۔ "اے نوجوان، اٹھ اور اب میرا ایک کام کر۔ دیکھ میں نے تُجھے اپنے گھر میں پناہ دی۔ پہننے کو کپڑے اور کھانے کو لذیذ کھانا دیا۔ آرام دہ جگہ سونے کے

لیے بتلائی۔ اب تیرا فرض ہے کہ اِن چیزوں کے عوض میری خدمت بجا لائے۔"

سیّد مہدی نے دِل میں کہا۔ "لعنت ہے اِس شہر کے اچھّے لوگوں پر، بُروں کا تو خیر ذکر ہی کیا ہے۔ کم بخت نے کھانا کھلایا اور احسان جتانے کو صُبح کا بھی انتظار نہ کیا۔ آدھی رات کو سر پر آ سوار ہوا۔

"کہیے، کیا حُکم ہے؟" مہدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ لباس میں لو اور میرے ساتھ چلو۔" مالک مکان نے دوسرا لباس لا کر مہدی کو دیا۔

اب جو مہدی نے دیکھا تو یہ اُسی کے کپڑے تھے جو چشمے کے کنارے گُم ہوئے تھے۔ اُس نے کہا:

"یہ تو میرا وہی لباس ہے جو وہ عیّار بُڈّھا لے کر غائب ہوا تھا۔ تمہارے ہاتھ کہاں سے آیا؟"

"خاموش! کسی پر چوری کی تہمت لگانا ٹھیک نہیں۔ میں نے یہ کپڑے زمرّد جادُو سے خریدے ہیں۔ آؤ، اب دیر نہ کرو۔ میرے ساتھ چلو۔"

سیّد مہدی خاموش ہو گیا اور مُنتظر رہا کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ وہ شخص مہدی کو تاریک گلیوں اور بازاروں میں کھاتا پھراتا ایک اُونچے عالی شان مکان کی طرف لے گیا۔ مکان کا ہر دروازہ اور ہر کھڑکی بند تھی۔ کسی طرف سے اندر جانے کی راہ نہ پائی۔ آخر کمند پھینکی۔ پہلے خود چھت پر چڑھا، پھر سیّد مہدی کو گھسیٹ لیا۔ وہ چھت سے نیچے اُترے۔ سارے مکان میں اندھیرا اور سنّاٹا تھا۔ ایک کمرے کی چوکھٹ کے نیچے روشنی کی کرنیں پھوٹتی نظر آئیں۔

دونوں چُپکے سے دبے پاؤں، دروازہ کھول کر اُس کمرے میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوب صورت چھپر کھٹ پر ایک عورت بے خبر سو رہی ہے۔ قریب ہی جلتا ہوا شمع دان رکھا ہے۔ اُس شخص نے خنجر نکال کر سیّد مہدی کو دیا اور کہنے لگا:

"اے نوجوان مسافر، میں نے جو احسان تُجھ پر کیا ہے، اب اُس کا بدلہ دے۔ یہ عورت جو بستر پر ہے، اِس کا نام لالہ خُوں خوار ہے۔ ہر روز ایک مسافر کے خُون میں غُسل کرتی ہے۔ اِس سے اس عورت کی صحت اور جوانی برقرار رہتی ہے۔ ویسے عُمر اِس کی کوئی پانچ سو برس ہو گی۔ میں اِس کا غُلام ہوں۔ اگر کسی روز مسافر کو نہ لاؤں تو یہ عورت مُجھے مار ڈالے گی اور میرے خون میں غُسل کرے گی۔ آزاد ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ تو اب اِس کو قتل کر۔ میں جانتا ہوں کہ تو اِس لُوح کا مالک ہے اور تُو ہی اِسے

قتل کر سکتا ہے۔ اگر تُو اِسے قتل نہ کرے گا تو میں تُجھے قتل کر دوں گا۔ بول کیا کہتا ہے؟"

سیّد مہدی نے اُسے سمجھایا کہ عورت کو قتل کرنا مردانگی نہیں، اور پھر جو کہانی تو سُناتا ہے، کیا خبر وہ صحیح ہے یا غَلط۔ میں کبھی اِس سوئی ہوئی عورت پر ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔"

یہ سُنتے ہی وہ بد بخت طیش میں آیا اور پہلو سے تلوار کھینچ کر سیّد مہدی پر حملہ کیا۔ ناچار مہدی نے اپنی جان بچانے کے لیے اُس مردود کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ اتنے میں لالہ خُوں خوار نے آنکھ کھولی اور سیّد مہدی کو دیکھا۔ پھر اُس شخص کی لاش پر نگاہ ڈالی۔ اچانک اُس لاش میں آگ لگی اور وہ آناً فاناً جل کر راکھ ہو گئی۔

مہدی یہ شعبدہ دیکھ کر حیران ہوا اور بولا۔ "اے عورت، سچ بتا تُو کون ہے

اور اِس ویران مکان میں کیا کرتی ہے؟"

"میرا اصل نام تو تجھے معلوم ہی ہے۔ جس مرد کو تُو نے قتل کیا، وہ میرا غُلام تھا اور میں لالہ خوں خوار جادُوگرنی ہوں۔ مُجھے لالہ گل گُوں پوش بھی کہتے ہیں۔ میں جانتی ہوں تُو شہزادی غزالہ آہو چشم کے محل میں جانے کا خواہش مند ہے اور اُس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ بے شک وہ بادشاہ کی بیٹی ہے لیکن جادُو نہیں جانتی۔ آ میرے ساتھ ایک مقام پر چل۔ صُبح سویرے وہاں غزالہ سیر کرنے اپنی کنیزوں کے ساتھ آتی ہے۔ وہیں اُسے اچھّی طرح دیکھ لینا۔ اب ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر اور جب میں کہوں تب کھولنا۔"

مہدی نے آنکھیں بند کیں۔ تھوڑی دیر بعد لالہ کی آواز آئی۔ "آنکھیں کھول دو۔"

مہدی نے دیکھا، نہ وہ مکان ہے اور نہ لالہ خُوں خوار۔ ایک پُر فضا اور دِل کش باغ میں کھڑا ہے۔ صُبح کا سہانا وقت ہے۔ حسین اور خوب صورت پرندے درختوں پر بیٹھے چہچہا رہے ہیں اور باغ میں ہر طرف سنہری رنگ کے پالتو ہرن کلیلیں کرتے پھر رہے ہیں۔

اتنے میں ایک جانب سے زرق برق لباس پہنے کنیزوں اور لونڈیوں کا ایک گروہ برآمد ہوا۔ اُن کے درمیان میں شہزادی غزالہ آہستہ آہستہ قدم رکھتی چلی آرہی تھی۔ مہدی ایک جھاڑی میں چھُپ کر تماشا دیکھتا رہا۔ شہزادی غزالہ اپنی سہیلیوں اور ہم جولیوں سے دیر تک ہنسی مذاق کرتی رہی، پھر چلی گئی۔

سیّد مہدی وہیں بیٹھا رہا۔ اُسے ہوش اُس وقت آیا جب شاہی باغ کے پہرے داروں نے ایک دم آن کر اسے گرفتار کر لیا اور معزل شاہ کے

دربار میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ حضور، یہ شخص شاہی زنانہ باغ میں چھُپا تھا۔ ہم نے اِسے وہاں سے گرفتار کیا ہے۔ معزل شاہ یہ سُن کر غیظ و غضب میں آیا اور حُکم دیا کہ جلّاد کو بلاؤ اور ابھی اِس گُستاخ شخص کا سر قلم کرو۔ حُکم کی دیر تھی کہ ایک دیو جیسا حبشی جلّاد ہاتھ میں ایک من وزنی کلہاڑی اُٹھائے، نمودار ہوا اور مہدی کو پکڑ کر اُس مقام پر لے گیا جہاں بادشاہ کے حُکم سے مجرموں کے سر قلم کیے جاتے تھے۔

سیّد مہدی نے اِردگرد دیکھا۔ بھاگنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ ہر طرف ننگی تلواریں لیے ہٹّے کٹّے حبشی غُلام کھڑے تھے۔

سات رنگوں کا شہر

سیّد مہدی نے اپنا آخری وقت جان کر خُدا کریاد کیا اور جلّاد کی طرف دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ حبشی جلّاد نے سیاہ پٹّی مہدی کی آنکھوں پر باندھنے کے لیے اُٹھائی۔ عین اُسی لمحے ایک بُڈّھا پھُونس دربار میں آیا اور پُکار کر بولا:

"جہاں پناہ! اِس شخص کو قتل کرنے سے آپ کے ہاتھ کیا آئے گا؟ مجُھے

ایک غُلام کی ضرورت ہے۔ مُجھ سے اِس کی قیمت لیجیے اور اِسے میرے حوالے کر دیجیے۔"

معزل شاہ نے حیرت سے اُس بُڈّھے کو دیکھا اور بولا۔ "بڑے میاں، تُم ٹھیک کہتے ہو۔ لاؤ، اِس غلام کی کیا قیمت دیتے ہو؟"

بُوڑھے نے اشرفیوں سے بھری ہوئی چودہ تھیلیاں معزل شاہ کی خدمت میں پیش کیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔ حبشی جلّاد نے اُسی وقت سیّد مہدی کے ہاتھ پاؤں کھول کر اُسے آزاد کر دیا۔ بُڈّھے نے مہدی کا ہاتھ تھاما اور اُسے دربار سے باہر لے آیا۔ وہاں ایک خوب صورت گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔ بُوڑھے نے مہدی کو اُس میں سوار کیا اور ایک ویرانے میں لے جا کر گاڑی روک دی۔ پھر بولا:

"اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو اب تک آپ کی گردن تن سے جُدا ہو چُکی ہوتی۔

کس قدر غَلَطی آپ سے سرزد ہوئی کہ آپ نے چشمے میں اُترنے سے پہلے لَوح نہ دیکھی۔"

یہ سُن کر سیّد مہدی حیران ہوا اور پوچھا۔ "بڑے میاں، آپ کون ہیں اور یہ سب باتیں آپ کو کیوں کر معلوم ہوئی؟"

بُڈّھے نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "میں آپ کا غُلام عمّار جِن ہوں۔ بغیر بلائے کبھی نہ آتا لیکن آپ کے والد سیّد عبداللہ شہید نے مُجھے حُکم دیا تو دو ہزار کوس کا فاصلہ پلک جھپکتے میں طے کر کے معزل شاہ کے دربار میں پہنچا۔ آئندہ یاد رکھیے۔ جب بھی آپ خُدا نہ خواستہ کسی مُصیبت میں گرفتار ہوں، فوراً مُجھے طلب فرمائیے۔" سیّد مہدی نے عِماد جِن کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "میں تمہارا حال جاننے کے لیے بے تاب ہوں۔ آخر اِس طِلسم سے تمہارا کیا واسطہ ہے؟ مُجھے تفصیل سے سب قصّہ سُناؤ۔"

عِماد نے کہا، ۔ "حکیم جبّار جادُوگر نے جب یہ طِلسم بنایا تو جِنوں کی ایک جماعت بھی جادُو کے زور سے اپنے قابو میں کی۔ وہ سب کے سب کافر جِن تھے اور میں بھی اُن میں شامل تھا۔ چُوں کہ میں اپنے ساتھی جِنوں میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا، اِس لیے جبّار جادُوگر نے طِلسم کی دربانی کا فرض میرے سپُرد کیا اور دس مَن وزنی لوہے کا گُرز خود بنا کر میرے حوالے کیا۔ اِس گُرز میں یہ صفت رکھی کہ اگر پہاڑ پر دے ماروں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔

ایک ہزار برس سے میں اِس طِلسم کی حفاظت کے کام پر لگا ہوا تھا۔ اِس مُدّت میں بے شمار لوگ اِسے فتح کرنے کا ارادہ کر کے آئے لیکن کسی کو زندہ سلامت لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ جب آپ کے والد سیّد عبد اللہ شمران سنگ دِل کے ہاتھوں شہید ہوئے تو خُدا کے حُکم سے اِس طِلسم کا حال بھی

اُنہیں معلوم ہوا۔ سیّد عبداللہ شہید نے خواب میں آ کر مُجھے کلمۂ توحید پڑھایا اور مسلمان کیا۔ آپ کو اب بتاتا ہوں کہ اقطاع پہلوان کو جو پرندہ آواز کے ذریعے مدد دیتا تھا، وہ بھی میں ہی تھا اور بظاہر اقطاع پہلوان کشتی لڑتا دکھائی دیتا لیکن نظر نہ آنے والا پہلوان میں ہی تھا۔

"جب آپ کُشتی کے لیے اکھاڑے میں اُترے تو میں آپ کو پچھاڑ نہ سکا اور یہ پہلی علامت تھی کہ آگے چل کر آپ ہی طِلسم جبّاران کے فاتح ہوں گے۔

اب سُنیے کہ غزالہ آہو چشم کے پیچھے پیچھے آپ کیوں گئے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی آنکھوں میں ایسا سُرمہ لگا دیا گیا تھا جو دیکھنے والے پر جادُو کر دیتا ہے۔ اور وہ بُوڑھا جو چشمے کے کنارے سے آپ کے کپڑے گُرز اور سونے کی لَوح لے گیا، اُس کا نام زمرّد جادُو ہے اور وہ شہزادی غزالہ کی

دایہ کا شوہر ہے۔ اب سب کام چھوڑ کر اپنی لَوح، گُرز اور تلوار روئیں شِگاف حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔ اِن چیزوں کے بغیر یہ طِلسم ہرگز فتح نہ ہوگا۔"

سیّد مہدی نے پوچھا۔ "تُو ہی بتا کہ میں کیا کروں؟ جیسا تُو مشورہ دے گا، ویسا ہی کروں گا۔"

تب عماد جِن نے کہا۔ "اے آقا، یہ آپ کے سامنے ایک پہاڑ ہے۔ اِس کی چوٹی پر گُنبدِ سامری بنا ہوا ہے۔ سامری روئے زمین کے تمام جادُوگروں کا اُستاد گُزرا ہے اور جادُوگروں کا خیال ہے کہ اِس پہاڑی گُنبد میں سامری کی روح قید ہے۔ سال میں ایک مرتبہ اِس گُنبد پر لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی آرزو لے کر آتا ہے۔ کسی کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے، کسی کو دولت کی اور کوئی اپنے دُشمن کو نیست و نابود کرنا چاہتا

ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ سب کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

اِس گُنبد میں ایک سُوراخ ہے۔ لوگ اشرفیاں، زیور اور ہیرے جواہر سامری کی روح کو پیش کرنے کے لیے لاتے ہیں اوراِس سُوراخ سے گُنبد میں ڈال دیتے ہیں۔ مُجھے معلوم ہے کہ ایک جادُوگر، جس کا نام زوران ہے، روزاِس گُنبد میں داخل ہوتا ہے اور جادُوگروں سے ضروری باتیں کرتا ہے۔ شہزادی غزالہ کی دایہ مرجانا کا بیٹا مر گیا ہے۔ مرجانا کی خواہش ہے کہ اُس کا بیٹا دوبارہ زندہ ہو جائے، اِس لیے ہر ہفتے گُنبد میں آتی ہے۔ اب آپ غور سے میری بات سُنیے اور عمل کیجیے۔ میں مرجانا کے آنے سے پہلے گُنبد میں جاتا ہوں تاکہ زوران جادُوگر کو قتل کروں۔ آپ گُنبد کے باہر کھڑے ہو کر میری امداد کے لیے وہی اسمِ اعظم پڑھتے رہیے جسے پڑھ کہ آپ نے میرا گُرز حاصل کیا تھا۔"

سیّد مہدی نے وعدہ کیا کہ جو کُچھ عِماد جِن کہے گا وہ اُس پر پُوری طرح عمل کرے گا۔ غرض یہ سب باتیں طے کر کے عِماد جِن گُنبد میں داخل ہوا اور اپنی قوّت کے بل بوتے پر زوران جادُوگر کو جہنّم رسید کرنے کے بعد ایک عمل کے ذریعے سیّد مہدی کو گُنبد میں پہنچایا۔ تھوڑی دیر بعد مرجانا آئی اور اپنی گردن سے سونے کا قیمتی ہار نکال کر شِگاف کے ذریعے اندر پھینکا۔ پھر دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کیا۔

گُنبد کے اندر سے سیّد مہدی نے سامری کی روح بن کر آواز دی۔ "اے بے وقوف عورت، اب کیوں روتی ہے؟ تیرا بیٹا تو زندہ ہونے سے رہا۔ ہاں، اب تیری اور تیرے شوہر کے قتل ہونے کا وقت قریب ہے۔ کیوں کہ تُم دونوں اپنی رائے سے کام کرتے ہو اور میں جو تمہارا خُداوند ہوں، اُس سے کوئی مشورہ نہیں کرتے۔ تیرا شوہر ابھی چند روز پہلے فاتح

طِلسم کی لَوح اور کپڑے لے کر معزل شاہ کے پاس گیا۔ میرے پاس نہ لایا۔ معزل شاہ نے وہ لَوح، تلوار اور گُرز تیرے حوالے کیے۔ تو بھی یہ چیزیں ہمارے پاس نہ لائی۔ دیکھ! ہم نے تیرے بیٹے کو دوبارہ زندہ کیا تھا۔ اب پھر اُسے قتل کریں گے۔"

عِماد جِن نے جھٹ مرجانا کے بیٹے کی شکل بنائی، گُنبد سے گردن باہر نکال کر خوب رویا اور عورت سے کہنے لگا:

"او بد بخت عورت! دیکھ سامری خُداوند نے تیرے رونے پیٹنے پر ترس کھا کر مُجھے زندہ کر دیا تھا لیکن تُو نے جو اُس پردیسی شخص کا سامان اور کپڑے چُرائے یہ بات سامری کو سخت ناپسند ہوئی۔ اب وہ مُجھے بھی دوبارہ قتل کرے گا اور تُجھے بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ اگر تُجھے اپنی اور میری جان عزیز ہے تو جلد واپس جا اور وہ سونے کی لَوح، گُرز اور تلوار لا کر گُنبد میں داخل

کر۔“

مرجانا دوڑی دوڑی گئی اور تمام چیزیں لا کر گُنبد کے اندر پھینک دیں۔ اِس کے بعد گُنبد میں سے آواز آئی :

”اے مرجانا، ہم تیری اِس فرماں برداری سے بہت خوش ہوئے۔ اس وقت گھر چلی جا۔ کل رات تک تیرا بیٹا زندہ سلامت تُجھے واپس مل جائے گا۔“

یہ سُن کر مرجانا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اپنے شوہر کو یہ خوش خبری دینے کے لیے گھر کی طرف بھاگی۔

اُدھر سیّد مہدی نے وہ لَوح دوبارہ اپنے قبضے میں کی اور عِماد جِن کے ساتھ گُنبدِ سامری سے باہر نکلا۔ پھر لَوح پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا :

”اے صاحبِ لَوح۔ آئندہ ایسی خطا نہ کرنا۔ پھر ہدایت کی جاتی ہے کہ لَوح دیکھے بغیر ہر گز کوئی کام نہ کرنا۔ اب تُجھے چاہیے کہ کرہِ حجر کے راستے قلعہ آبگینہ میں جا اور طِلسم کے اندرونی حالات کا تماشا کر۔“

اب جو سیّد مہدی نے دائیں بائیں دیکھا تو عِماد جِن کو غائب پایا۔ سمجھ گیا کہ وہ اپنا فرض ادا کر کے رُخصت ہوا۔

جس پہاڑ پر گُنبدِ سامری بنا تھا۔ اُسی کا نام کوہِ حجر تھا۔ جب سیّد مہدی پہاڑ کی دوسری جانب اُترا تو دُور سے ایک عالی شان قلعہ نظر آیا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ قلعے کے اِرد گرد ایک خندق کھُدی ہوئی ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے۔ قلعے کے سات دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ سیاہ، دوسرا سبز، تیسرا سُرخ، چوتھا زرد، پانچواں نیلا، چھٹا نارنجی اور ساتواں سفید ہے۔ ہر دروازے کے سامنے گز لمبا اور بیس گز چوڑا ایک بازار ہے۔ بازار کے پیچھے

ایک خوش نما باغ ہے۔ جس میں سرو اور چِنار کے اُونچے اُونچے درخت لگے ہیں۔ درمیان میں صاف و شفاف پانی کی نہر رواں ہے۔ بازاروں میں دُکانیں ہر طرح کی سستی اور قیمتی چیزوں سے بھری پڑی ہیں لیکن نہ آدمی ہے نہ آدم زار۔ ویرانی کا عالم ہے۔

سیّد مہدی دیر تک اِدھر اُدھر پھرتا رہا، مگر ایک بھی آدمی نظر نہ آیا۔ دِل میں کہا، یاالٰہی، عجب ماجرا ہے! لَوح پر نگاہ ڈالی تو یہ عبارت ظاہر ہوئی:

"اے صاحبِ لَوح، اب رات ہونے والی ہے۔ کسی مناسب جگہ آرام کر۔ صُبح ہوتے ہی تُجھ پر سب حال اِس جگہ کا روشن ہو جائے گا۔"

اِس ہدایت کے مطابق مہدی نے ایک باغ کی بارہ دری میں آرام کیا۔ ساری رات خُوب مزے سے سویا۔ سُورج نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے آنکھ کھُلی۔ نہر پہ جا کر وُضُو کیا، فجر کی نماز ادا کی اور اِس کے بعد سیر کو نکل گیا۔

ابھی قلعے کی دیوار کے قریب پہنچا تھا کہ اُس کے تمام دروازے خود بخود کھُلے اور ہر دروازے سے ہرنوں کا ایک غول نکل کر خندق کی طرف دوڑا اور اُس میں کُود گیا۔ جب وہ خندق سے باہر نکلا تو آدمیوں کی شکل اختیار کر چُکا تھا۔ جس رنگ کے دروازے سے یہ ہرن برآمد ہو کر انسانی شکلوں میں آئے، اُن کے کپڑے ویسے ہی رنگ کے ہو گئے۔ یعنی سیاہ دروازے سے نکلنے والے ہرن آدمی بنے تو اُن کے کپڑے سیاہ تھے۔ سُرخ دروازے سے نکلنے والے ہرن آدمی کی جَون میں آئے تو اُن کے لباس سُرخ تھے۔

پھر یہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ والے بازاروں میں گھومنے پھرنے اور خرید و فروخت کرنے لگے۔ سیّد مہدی نے لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"اے صاحبِ لَوح، یہ سب شُعبدے بازی ہے۔ اِس کی جانب دھیان مت دے۔ یہ لَوح اپنے گلے میں لٹکا لے۔ اِس کے اثر سے کوئی تُجھے نہ دیکھے گا اور تو سب کو دیکھ سکے گا۔ بے خوف و خطر بازاروں میں گھوم پھر اور جو چاہے خرید کر کھا۔ جب ضرورت ہو تو گلے سے لَوح اُتار کر آئندہ کے بارے میں مشورہ کر لینا۔ سیّد مہدی نے لَوح گلے میں لٹکائی اور قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں ہر دروازے پر خوف ناک شکلوں کے پہرے دار، ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے موجود تھے اور ہر آنے جانے والے کو غور سے دیکھتے تھے لیکن مہدی بے دھڑک اُن کے آگے سے گُزر کر قلعے میں داخل ہو گیا۔ کسی نے اُسے نہ روکا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی پہرے دار کو نظر ہی نہیں آیا۔

طرح طرح کی مٹھائیاں اور کھانے دُکانوں میں موجود تھے۔ سیّد مہدی نے

پیٹ بھر کر لذیذ کھانے کھائے اور قلعے کی سیر کرنے لگا۔ ایک مقام پر کیا دیکھتا ہے کہ دربار لگا ہے۔ لونڈیاں، کنیزیں، غُلام، پہرے دار، جلّاد اور سپاہی باادب کھڑے ہیں۔ ایک جانب اُونچے تخت پر شہزادی غزالہ بیٹھی ہے۔ دو لونڈیاں دائیں بائیں کھڑی مورچھل سے ہوا کر رہی ہیں، تاکہ شہزادی کے بدن یا مُنہ پر کوئی مکّھی بیٹھنے نہ پائے۔ فریادی اور مُصیبت زدہ اپنے اپنے مقدمے شہزادی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ بڑی دانائی سے ہر مقدمے کا فیصلہ کرتی ہے۔ فریادی دعائیں دیتے ہوئے رُخصت ہوتے ہیں۔ شام تک یہی چہل پہل ہوتی رہی اور جب سات ساعتیں گُزر گئیں تو لوگوں نے اپنی اپنی دُکانیں ویسے ہی چھوڑ دیں اور خندق کی جانب روانہ ہوئے۔ سورج غروب ہوتے ہی اُنہوں نے خندق میں چھلانگیں لگائیں اور اب جو باہر نکلے تو پھر ہرن بن گئے۔ ہرن بنتے ہی قلعے کی

جانب دوڑنے لگے اور اپنے اپنے خاص رنگ کے دروازے سے قلعے میں داخل ہوئے۔ اُن ہرنوں کے قلعے میں جاتے ہی ساتوں دروازے بند ہو گئے اور سارا شہر پھر سُنسان اور ویران نظر آنے لگا۔

سیّد مہدی نے گلے سے لَوح اُتار کر دیکھی۔ لکھا تھا:

"اے صاحبِ لَوح، اب رات یہیں بسر کر اور صُبح سورج نکلنے سے پہلے اِسی کوہِ حجر کی چوٹی پر جا۔ وہاں تُجھے سات درخت ویسے ہی نظر آئیں گے جیسے تُو نے عِماد جِن کو زیر کرنے کی جگہ پر دیکھے تھے۔ درمیانی درخت کے نیچے بیٹھ کر جو اِسم تُجھے بتلایا جاتا ہے، وہ ایک ہزار مرتبہ پڑھ۔ جب تُو یہ اِسم ایک ہزار مرتبہ پڑھ چُکے گا ہرن تیرے قریب آئے گا۔ اُس کی کھال سنہری اور سر پر تین سینگ ہوں گے۔ درمیانے سینگ کا رنگ فیروزی اور باقی دو سینگوں کا رنگ گہرا سُرخ ہو گا۔

جوں ہی یہ عجیب و غریب ہرن تیرے نزدیک آئے اِس طرح کمند پھینکنا کہ درمیانی سینگ میں پھنس جائے۔ اگر ہرن اِس پھندے میں نہ پھنسا تو دوبارہ وہی اِسم ایک ہزارہ مرتبہ پڑھنا ہوگا۔ ہرن پھر آئے گا اور اِس طرح کمند کے ذریعے اُسے گرفتار کرنا۔ خیال رہے کہ کمند اُس کے درمیانی سینگ میں پھنسے، ورنہ تیسری بار اِسم پڑھنا ہوگا۔

ہرن زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ آئے گا اور اگر وہ تیرے قبضے میں نہ آیا تو سمجھ لے کہ تیری جان کی خیر نہیں۔ پھر وہی ہرن ایک دیو بن کر تُجھے کھا جائے گا۔ اب خُدا کا نام لے اور صُبح مُنہ اندھیرے اِس شہر سے نکل کر کوہِ حجر پر جا۔"

سیّد مہدی نے وہ رات اُسی پُر فضا باغ کی بارہ دری میں کاٹی اور ابھی سورج نکلنے میں دو ساعتیں باقی تھیں کہ کوہِ حجر کی جانب روانہ ہوا۔ چوٹی پر پہنچ کر

دیکھا کہ سات درخت ہیں۔ ہر درخت کے پتّے دودھ کی طرح سفید اور پھول سبز ہیں۔ درمیانی درخت سب سے اونچا اور خوب صورت ہے۔

مہدی نے اُس درخت کے نیچے بیٹھ کر وہ اِسم پڑھنا شروع کیا جو لَوح نے بتایا تھا۔ جوں ہی اُس نے اِسم آخری بار پڑھا، درخت کے پیچھے سے ایک ہرن نمودار ہوا۔ اُس کی کھال کا رنگ سنہری تھا۔ سر پر تین سینگ تھے۔ درمیانی سینگ کا رنگ فیروزی اور باقی دو کا سُرخ تھا۔ ایسا خوب صُورت ہرن مہدی نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ جیب سے کمند نکال کر بڑی ہوشیاری سے پھینکی۔ اور خُدا کی قُدرت کہ اوّل مرتبہ ہی ہرن کو گرفتار کیا۔ اُس نے آزاد ہونے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے، خوب اُچھلا کُودا لیکن کمند اُس کے فیروزی سینگ میں ایسی پھنسی تھی کہ جتنا آزاد ہونے کی کوشش کرتا، اتنا ہی اور جکڑ جاتا۔

ہرن کو پکڑنے کے بعد مہدی نے پھر لَوح سے مشورہ کیا تو یہ عبارت ظاہر ہوئی :

"اے صاحبِ لَوح، ہرن کو گرفتار کرنا مبارک ہو۔ یہ ہرن نہیں، وحشاں جادُو ہے ۔ اور اگر تُو اِسے پکڑنے میں ناکام رہتا تو یہ دیو بن کر تُجھے ہڑپ کر جاتا۔ اب تُو کسی خوف کے بغیر اِس ہرن پر سوار ہو اور دوبارہ اُس ہفت (سات) بازار طِلسم میں جا۔ اِس لَوح کو سر پر باندھ لے ۔ جب شہر کے لوگ تُجھے دیکھیں گے تو ہزار منّت خوشامد سے کہیں گے کہ اِس ہرن کو آزاد کر کے ہمیں دے دو۔ خبردار! تُو اُن کی خوشامد اور رونے پیٹنے کے مکر میں مت آنا۔ اُن سے کہنا کہ ہرن کی قیمت وہ تلوار ہے جو قلعے کے توشہ خانے میں رکھی ہے اور جِسے جبّار جادُوگر نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ وہ لوگ تلوار دینے میں ہچکچائیں گے، لیکن تُو اُسی کا تقاضا کرنا۔ آخر وہ تلوار

لے کر آئیں گے۔ اِس وقت اُن سے تلوار لے کر ہرن کو آزاد کرنا۔ وہ چھلانگ لگا کر نہر کی دوسری طرف جانے کا اِرادہ کرے گا۔ اُس وقت تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کرنا۔ اگر ہرن نہر پار کرنے میں کام یاب ہو گیا تو تُو بلائے عظیم میں گرفتار ہو گا۔ لہٰذا ہوشیاری سے کام کرنا۔"

سیّد مہدی جب وحشاں جادُو پر سوار ہونے لگا تو اُس نے بڑی اُچھل پھاند مچائی اور دو مرتبہ اُس کو نیچے گِرایا۔ آخر اُس نے کمند کا ایک سِرا کوڑا بنا کر اُس کے مُنہ پر مارا، تب درُست ہوا۔

ہفت بازار طِلسم میں داخل ہوتا تھا کہ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سارا شہر روتا پیٹتا اور چیختا چلّاتا اُمڈ آیا اور مہدی کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ کوئی ہاتھ جوڑتا تھا۔ کوئی پیروں کو ہاتھ لگاتا تھا کہ ہرن کو آزاد کر دو اور اِس مہربانی کے عوض جس قدر مال دولت چاہو، ہم سے لو۔ لیکن سیّد مہدی نے صاف

صاف کہہ دیا، اگر ہرن کو آزاد کرانا چاہتے ہو تو فوراً جبّار جادُوگر کی تلوار لاکر ہمارے حضور میں پیش کرو۔

یہ سُننا تھا کہ لوگوں کے تیور بدل گئے۔ وہی جو تھوڑی دیر پہلے مِنّت خوشامد کررہے تھے، اب ڈرانے دھمکانے پر اُتر آئے اور کہنے لگے اگر تُم نے ہرن کو آزاد نہ کیا تو ہم تمہیں قتل کردیں گے اور تمہاری لاش کے ٹُکڑے کرکے چیل کوؤں کے آگے ڈالیں گے۔ پہرے دار تلواریں کھینچ کھینچ کر آ گئے اور لال پیلی آنکھیں نکال کر سیّد مہدی کو ڈرانے لگے۔ مگر اُس نے بھی اپنا گُرز سنبھال کر دو تین کی کھوپڑیاں چٹخائیں، تب ڈر کر وہ دُور بھاگے اور تلوار لے کر آئے۔

مہدی نے تلوار قبضے میں کی اور ہرن کی پیٹھ سے اُترا۔ اُس کے سینگ میں سے اپنی کمند کھولی۔ ہرن نے قلانچ بھری اور نہر کو پار کرنے کے لیے

بجلی کی مانند طرارہ بھرا لیکن اسی لمحے مہدی کی تلوار کوندی اور ہرن کی پیٹھ پر پڑی۔ ہرن دو ٹکڑے ہو کر نیچے گِرا۔ اُس کے گِرتے ہی ہر طرف سے ہولناک آوازیں بُلند ہوئیں اور گھُپ اندھیرا چھا گیا۔

مہدی نے فوراً لَوح سر سے اُتار کر گلے میں لٹکالی اور ہفت بازار طِلسم کے جادُوگروں کی نظروں سے غائب ہوا۔ تھوڑی دیر بعد اندھیرا دُور ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے خُون کی ندیاں بہہ نکلیں اور سب فنا ہو گئے۔

مہدی نے لَوح پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا۔ "اے صاحبِ لَوح، اب طِلسم فتح ہونے میں آخری مرحلہ باقی ہے۔ قلعے کے چوتھے دروازے سے شہر میں داخل ہو۔ زرد رنگ کا ایک خوف ناک اژدہا تیرا راستہ روکے گا۔ جبّار جادُوگر کی تلوار کے ایک ہی وار سے اُس اژدہے کے دو ٹکڑے کرنا۔

اژدہے کے مرتے ہی وہاں ایک عمارت نمودار ہو گی۔ اُس عمارت کا پہرے دار کالا اژدہا ہے۔ اُسے بھی تلوار سے موت کے گھاٹ اتارنا۔

اِس کے بعد عمارت کے اندر چلے جانا۔ وہاں ایک بُڈّھا پھُونس آدمی ملے گا۔ وہ تُجھے جھُک کر سلام کرے گا۔ اُسے آدمی نہ سمجھنا۔ یہ جِن ہے اور اُس کا نام صبیح رکھا گیا ہے۔ اُس سے کہنا، اے صبیح جِن، یہ بتاؤ دیو ہفت پیکر کہاں رہتا ہے؟ صبیح جِن کہے گا، اگر میں اُس کا پتا بتا دوں تو آپ مُجھے کیا انعام دیں گے؟ کہنا، میں تمہیں اِس طِلسم کا نگہبان بنا دوں گا۔ صبیح جِن ایک باغ میں تُجھے لے جائے گا۔ وہاں پہنچ کر اللہ اکبر کا نعرہ مارنا۔ دیو ہفت پیکر نیند سے بیدار ہو کر تیرے مُقابلے میں آئے گا۔ اُس دیو کی دو گردنیں، تین ہاتھ اور دو پاؤں ہوں گے۔ اِسی لیے اُسے ہفت پیکر کہتے ہیں۔ موقع پا کر اپنے گُرز سے اُس کا ہر پیکر باری باری توڑنا اور پھر تلوار

اُس کے سینے میں بھونک دینا۔ دیو ہلاک ہو گا اور اُس کے ہلاک ہوتے ہی طِلسم جبّاران فتح ہو جائے گا۔

مہدی نے اِن ہدایات پر عمل کیا۔ دیو ہفت پیکر کے ہلاک ہوتے ہی طوفان برپا ہوا اور زمین ہلنے لگی، آسمان پر گرد و غبار چھا گیا۔ جب طوفان تھما تو کیا دیکھا کہ نہ قلعہ ہے نہ بازار اور نہ شہر۔ فقط ایک عالی شان عمارت کھڑی ہے۔

ایک کمان، سات تیر

سیّد مہدی ابھی ہکّا بکّا کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ آئندہ کیا قدم اُٹھائے کہ اتنے میں آسمان کی طرف نگاہ گئی۔ کیا دیکھا کہ عِماد جِن ہوا میں اُڑتا چلا آ رہا ہے۔ مہدی کے قریب پہنچ کر وہ زمین پر اُترا اور سلام کر کے بولا :

"میرے آقا، اِس طِلسم کی فتح مبارک ہو۔۔ میں گُنبدِ سامری میں سے سارا خزانہ اُٹھا لایا ہوں۔ اب جو حُکم وہ کروں۔"

مہدی نے لَوح دیکھی۔ لکھا تھا۔ "اے صاحبِ لَوح، اپنے لشکر کے بعض سرداروں کو طلب کر۔ ابھی معزل شاہ سے جنگ کا مرحلہ باقی ہے۔ عماد جِن کو پیغام دے کر فوراً روانہ کر۔"

مہدی نے عماد جِن کو حُکم دیا کہ ابھی ہوا کی طرح جا اور خواجہ صوفی، ابُوالخیار نجومی، جابل شاہ، جیلان کوہ تن، سیّد امجد اور دوسرے تمام بڑے بڑے سرداروں کو آدھے لشکر سمیت لے آ۔ باقی فوج عبدالرّحیم مدنی سالار کے تحت وہیں رہے۔

عماد جِن پلک جھپکتے میں کوہِ ندہام میں گیا اور خواجہ صوفی، جابل شاہ وغیرہ سے طِلسم کی فتح کا سب حال بیان کیا۔ بعض سردار کہنے لگے کہ یہ طِلسم کا قصّہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو ہم کسی آفت میں بیٹھے بٹھائے پھنسیں۔ ابُوالخیار نجومی نے اُسی وقت زائچہ کھینچا اور حساب کتاب کے بعد خوش ہو کر بولا۔

”یارو، خوشی کے شادیانے بجاؤ۔ یہ جِن جو خبر لایا ہے، بالکل درست ہے۔ میں نے ابھی ابھی مہدی کا حال نجُوم کے ذریعے معلوم کیا ہے۔ طِلسم جبّاران جادُوگر اِس نے فتح کیا۔ اِس کی عمر باسٹھ برس کی ہو گی۔ سینتیس سال حکومت کرے گا اور بڑے بڑے مغروروں کا اِس کی وجہ سے نیچا ہو گا۔ فوراً آدھی فوج اِس کی مدد کے لیے روانہ کرو اور باقی فوج یہیں رہنے دو۔“

اِسی وقت لشکر میں نقّارے بجنے لگے اور سردارانِ فوج اپنے اپنے دستوں کو خواجہ صوفی اور جابل شاہ کے سامنے سے گزارنے لگے تاکہ لڑائی کے لیے وہ جس جس دستے کو مناسب سمجھیں، اُسے الگ کر دیں۔ آدھی رات کے فوراً بعد عِماد جِن کے ساتھ آدھا لشکر سرداروں سمیت روانہ ہو گیا۔

اب شہزادی غزالہ کی چالاک دایہ مرجانا کا حال سنیے۔ گُنبدِ سامری سے صدا آئی تھی کہ اپنا لڑکا کل رات کو آن کر لے جانا۔ چناں چہ وہ اگلے روز رات کو بے شمار چڑھاوے لے کر گُنبد پر گئی اور آواز دی کہ اے خُداوند سامری، میں حاضر ہوں۔ اپنے ارشاد کے مطابق میرا فرزند واپس کرو۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا اور نہ لڑکا واپس آیا۔ مرجانا بہتری چیخی چِلّائی، بہت روئی پیٹی مگر بے کار۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خُداوند سامری گھوڑے بیچ کر سو گیا ہے۔ اتّفاق سے معزل شاہ بھی اپنے وزیروں سمیت خُداوند سامری کے سلام کو اُسی وقت حاضر ہوا۔ اُسے بھی کُچھ جواب نہ ملا۔ حالانکہ معزل شاہ کو خُداوند کی جانب سے فوراً جواب دیا جاتا تھا۔

معزل شاہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کُچھ کالا ہے۔ اُسی وقت مزدوروں کو بُلا کر حُکم دیا کہ گُنبد ڈھا دیا جائے۔ حُکم پاتے ہی مزدوروں نے گُنبد کی اینٹ

سے اینٹ بجا دی۔ گنبد کے اندر سے کُچھ بھی نہ نکلا حال آں کہ سال بھر میں اتنا خزانہ جمع ہو جاتا تھا کہ اُسے وہاں سے اُٹھا کر شاہی محل تک پہنچانے میں کئی دِن لگ جاتے تھے۔

معزل شاہ وہاں سے کوہِ حجر پر گیا تاکہ قلعہ آبگینہ پر نظر ڈالے اور ہفت بازار طِلسم کا تماشا کرے۔ لیکن وہاں نہ قلعہ دکھائی دیا نہ بازار۔ قلعے کے بجائے ایک اور عالی شان عمارت دیکھی جس کے باہر ایک عظیم لشکر کے خیمے نظر کی حد تک پھیلے ہوئے تھے۔

اب تو وہ بہت گھبرایا اور دِل میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے، طِلسم جبّاران کو کسی نے تہس نہس کر دیا ہے۔ مرجانا کو طلب کر کے حُکم دیا کہ ہم نے تُجھے جو لَوح اور ہتھیار وغیرہ دیے تھے، وہ کہاں ہیں؟ ابھی واپس لا کر ہمیں دے۔

یہ سُن کر مرجانا کے ہوش اُڑ گئے۔ رو رو کر سارا قصّہ بیان کیا۔ معزل شاہ آگ بگولا ہو گیا اور مرجانا کو اسی طیش میں اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ یہی حشر اُس کے شوہر کا ہوا۔

اِس کام سے فارغ ہو کر اپنی فوج کو طلب کیا اور جادُوگروں سے کہا کہ وہ بتائیں، قلعہ آبگینہ اور ہفت بازار طِلسم کہاں گیا؟ یہ فوج کس کی ہے؟ جادُوگروں نے بتایا کہ سیّد مہدی نام کے ایک نوجوان نے طِلسم جبّاران کو فتح کیا ہے اور یہ وہی نوجوان ہے جسے حضور نے قتل کیے جانے کا حُکم دیا تھا اور بعد میں چودہ ہزار اشرفیوں کے عوض غُلام بنا کر ایک بُوڑھے کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ کوہِ حجر کے دامن میں یہ عظیم لشکر اُسی نوجوان کا ہے۔ اُس کے ساتھ جبلستان کا بادشاہ جابل شاہ بھی ہے۔ اُن کی نیّت آپ سے جنگ کرنے کی ہے۔

معزل شاہ میں اتنی ہمّت اور طاقت کہاں تھی کہ اتنے بڑے لشکر کا مُقابلہ کرتا۔ اُس کے پاس چھوٹی سی فوج تھی جو اُس نے اِرد گرد کے لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے بنا رکھی تھی۔ مہدی کا ابھی آدھا ہی لشکر دیکھا تھا کہ اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ جادُوگروں کے آگے گڑگڑانے لگا کہ اِس مُصیبت سے چھٹکارا دلانے کی کوئی تدبیر کرو ورنہ سب مارے جائیں گے۔ معزل شاہ خود بھی جادُوگر تھا، لیکن جب سے سیّد مہدی کا لشکر دیکھا، سارا جادُو بھول گیا تھا۔

آخر ایک جادُوگر جس کا نام فاجر تھا، آگے آیا اور ہاتھ باندھ کر بولا: "جہاں پناہ، میں سیّد مہدی کی فوج میں جاتا ہوں۔ اُس کو اپنے جادُو میں گرفتار کروں گا۔"

فاجر کی جادُوگر بہن فاسِقہ بھی بول پڑی۔ "حضور، حوصلہ رکھیں۔ میں ایسی

تدبیر کروں گی کہ مہدی کے قبضے سے سونے کی لَوح نِکل کر میرے پاس آ جائے۔ اِس لَوح کی برکت ہی سے اُس نے طِلسم فتح کیا ہے اور جب تک یہ لَوح اُس کے پاس رہے گی، کوئی اُس کے مُقابلے میں نہیں ٹھہر سکے گا۔"

یہ سُن کر معزل شاہ کو کُچھ اطمینان ہوا۔ کہنے لگا۔ "اگر تُم مہدی کی فوج پر جادُو کرنے اور اُس سے بابرکت لَوح چھین لینے میں کامیاب ہو گئے تو میں تمھیں مُنہ مانگا انعام دوں گا۔"

اِدھر سیّد مہدی برابر لَوح پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اُسے معلوم ہوا کہ معزل شاہ کی جانب سے ایک جادُوگر روانہ ہوا ہے۔ اُس نے اسمِ اعظم پڑھ کر پہلے تو اپنے لشکر پر دم کیا، پھر وہی اِسم پانی پر دم کرکے جابل شاہ، امجد، اقطاع پہلوان اور جبلان کوہ تن سالار کو پلایا تا کہ جادُوگروں سے مُقابلہ کر

سکیں۔

اِن سب کاموں سے فارغ ہو کر مہدی نے معزل شاہ کے نام پیغام بھیجا کہ ہم سے جنگ کرنا بے سود ہے اور جادُو بھی ہم پر کوئی اثر نہ کرے گا۔ اگر اپنی جان بچانا چاہتا ہے تو ہماری اطاعت کر اور جو کُچھ ہم حُکم کریں، اُس پر دِل و جان سے عمل کر۔

لیکن معزل شاہ نے سیّد مہدی کے قاصد کو اِنکار میں جواب دے کر رُخصت کیا اور کہہ دیا کہ اگر سیّد مہدی ہزار لشکر بھی لے کر آئے، تب بھی مُجھے ہرا نہ سکے گا۔

دوسرے دِن طبلِ جنگ بجا اور معزل شاہ کی جانب سے شفتان جادُو میدان میں آیا۔ سیّد مہدی خود اُس کے مُقابلے میں نکلا۔ شفتان کو اپنے جادُو پر بڑا گھمنڈ تھا۔ سوچتا تھا، جاتے ہی ایسا جادُو کروں گا کہ مہدی بے بس

ہو کر ہتھیار پھینک دے گا۔ لیکن نتیجہ اِس کے بالکل اُلٹ نِکلا سیّد مہدی نے شمشیرِ آب دار نکال کر سر پر ماری۔ شفتان جادُو دو ٹکڑے ہو کر گِرا۔

اُس کے مرتے ہی معزل شاہ کا رنگ فق ہوا۔ فوراً ایک قاصد مہدی کی خدمت میں بھیجا اور اِلتجا کی کہ میں ابھی جنگ کے لیے تیّار نہیں ہوں۔ دو تین دِن کی مہلت دو تا کہ اپنی فوج کو ترتیب دے سکوں۔ سیّد مہدی نے یہ درخواست قبول کی اور اِس دوران میں سیر و شکار سے دِل بہلانے کا ارادہ کیا۔

اُدھر فاجر جادُوگر نے بھی اپنے بھائی شفتان کے مارے جانے کی خبر سُن لی تھی۔ اُس کی سِٹّی گُم تھی، لیکن معزل شاہ سے انعام ملنے کے لالچ میں اپنے جادُو کا تانا بانا بُننے میں مصروف ہوا۔ اُس نے سیّد مہدی کے دونوں لشکروں کے درمیان جادُو کی ایک دیوار قائم کی۔ اِس کے بعد پہاڑوں سے

ایک بپھرتا اور موجیں مارتا ہوا دریا نکالا تاکہ مہدی کی فوج کو اُس میں غرق کرے مگر دریا نے قریب آکر رُخ بدل لیا اور فاجِر کا یہ حملہ بھی ناکام گیا۔

اب اُس نے ایک گوشے میں بیٹھ کر منتر پڑھنے شروع کیے کہ مہدی کے لشکر میں آگ اور برف برسائے۔ لیکن اسمِ اعظم کی برکت سے یہ داؤ بھی خالی گیا۔ اتّفاق سے شکار کی ایک مُہم میں سیّد مہدی کے ساتھ جو پہلوان گئے تھے، وہ اُن سے بچھڑ کر اُس مقام پہ آنکلے جہاں یہ نابکار جادُوگر بیٹھا منتر پڑھنے میں مصروف تھا۔ موقع غنیمت جان کر اُس نے شجاع پہلوان، عریش پہلوان، عروش پہلوان اور دوسرے چالیس نامی گرامی سالاروں کو جادُو کے زور سے گرفتار کیا۔ پھر اپنے آدمیوں کو اُن پہلوانوں کی صورت شکل کا بنا کر مہدی کے لشکر میں روانہ کیا۔ معزل شاہ کے حضور اِن سب پہلوانوں اور سالاروں کو پیش کیا تو وہ بہت خوش ہوا اور اپنے گلے سے

موتیوں کی مالا اُتار کر فاجِر کو انعام میں دی۔

اِدھر فاجِر کی بہن فاسقہ سیّد مہدی کی تاک میں تھی کہ جوں ہی موقع ملے، جادُو کرے اور لَوح اُن سے چھین لے۔ لیکن مہدی پر کوئی جادُو اثر ہی نہیں کرتا تھا۔ مجبور ہو کر اِس مکّار عورت نے ایک تدبیر سوچی۔ شہزادی غزالہ کی صورت بنا کر صحرا میں اُس جگہ گھومنے لگی جدھر سیّد مہدی اکثر شکار کی تلاش میں آیا کرتا تھا۔ ایک دِن اُس کی نظر فاسقہ پر پڑی جو شہزادی غزالہ بنی ہوئی تھی۔ مہدی نے دِل میں کہا غزالہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ آگے بڑھ کر پوچھا کہ اِدھر تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟

مصنُوعی غزالہ نے شرما کر جواب دیا۔ "تمہیں دیکھنے آئی تھی۔ میں اپنے باپ معزل شاہ کے ہاتھوں سخت پریشان ہوں۔ وہ بڑا ظالم ہے اور اُس نے جادُو کے ذریعے یہ کارخانہ قائم کر رکھا ہے۔ مجُھے بھی جادُو سیکھنے کے

لیے مجبور کرتا ہے۔ اگر اُس کی بات نہ مانوں تو بُری طرح مارتا پیٹتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ مکّار عورت مُنہ چھُپا کر رونے لگی۔ مہدی کو اُس پر ترس آیا۔ کہنے لگا۔ "اے شہزادی، اگر مناسب سمجھو تو مُجھ سے شادی کر لو۔ اِس طرح اپنے باپ کے ظُلموں سے چھٹکارا پا جاؤگی۔ پھر اسے تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔ بولو، کیا کہتی ہو؟"

وہ ایک دم خوش ہو کر بولی۔ "اے نوجوان، یہ تو تُم نے میرے دِل کی آرزو بیان کر دی۔ میں تُم سے شادی کے لیے تیّار ہوں۔ لیکن اِس میں ایک رکاوٹ ہے اور یہ کہ جب تک سونے کی لَوح تمہارے پاس ہے، میں باپ کے قبضے میں رہوں گی۔ اگر تُم یہ لَوح ایک دِن کے لیے مُجھے عنایت کرو تو میں اِس کی برکت سے اپنے باپ کا یہ جادُو کا کارخانہ تباہ کر دوں۔ پھر کوئی کھٹکا نہ رہے گا۔"

سیّد مہدی نے یہ سُن کر گلے سے لَوح اُتاری اور چاہا کہ غزالہ کو دے دے کہ اچانک لَوح پر نگاہ پڑ گئی۔ لکھا تھا۔ "اے صاحبِ لَوح، کیوں تیری شامت آئی ہے۔ بے سوچے سمجھے یہ کیا کرتا ہے؟ خبردار! یہ عورت شہزادی غزالہ ہرگز نہیں بلکہ فاجِر جادُوگر کی مکّار بہن فاسِقہ ہے، جِس نے جادُو کے زور سے اپنی شکل شہزادی غزالہ کی سی بنائی ہے تاکہ مُجھے فریب دے کر لَوح حاصل کرے۔ اصل اور نقل میں تمیز کے لیے اِس لَوح کا عکس اُس پر ڈال۔"

سیّد مہدی نے لَوح کا عکس نقلی شہزادی پر ڈالا ہی تھا کہ ایک دم وہ اپنی اصلی صورت پر آ گئی۔ اب جو مہدی نے دیکھا تو وہاں شہزادی غزالہ کے بجائے ایک مکروہ صُورت کی عورت کھڑی کانپ رہی ہے۔

جب اُس بدبخت نے دیکھا کہ راز کھُل گیا ہے تو بھاگنے کا ارادہ کیا، لیکن

سیّد مہدی نے اُسی وقت شمشیرِ آب دار سے اُس کے بھی دو ٹکڑے کیے۔ قتل ہوتے ہی اُس کی لاش میں آگ لگی اور آناً فاناً جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔

مہدی نے خُدا کا شکر ادا کیا کہ بلائے عظیم میں گرفتار ہوتے ہوتے بچا۔ گھوڑا دوڑا کر اپنے لشکر میں آیا معلوم ہوا معزل شاہ نے جنگ کا اعلان کیا ہے اور صُبح اس کی فوجیں کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان میں اُتریں گی۔ مہدی کو اپنے چالیس پہلوانوں اور سالاروں کے فاجِر کے ہاتھوں گرفتار ہونے کا علم نہیں تھا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ فاجِر جادُو نے اپنے ہی چالیس آدمی مہدی کے پہلوانوں کے سے بنا کر اُس کے لشکر میں داخل کر دیے تھے۔

مُنہ اندھیرے طبلِ جنگ بجنے کی آواز سُنائی دی۔ سیّد مہدی نے وفا عیّار کو

طلب کیا اور اُس سے کہا۔ "ابھی بھیس بدل کر معزل شاہ کے لشکر میں جا اور خبر لے کر آ کہ اُس میں پہلوانوں کی تعداد کتنی ہے تاکہ اس کے ہر پہلوان کے مُقابلے میں ہم اپنا ایک پہلوان روانہ کریں۔"

وفا عیّار اپنے فن میں کامل تھا۔ فوراً روانہ ہوا اور تھوڑی دیر بعد خبر لایا کہ معزل شاہ کے پہلوانوں کی تعداد چالیس کے لگ بھگ ہے۔ چنانچہ مہدی نے بھی اپنی فوج چالیس پہلوان منتخب کیے اور انہیں میدانِ جنگ میں روانہ کیا۔

اب اتّفاق دیکھیے کہ یہ سب وہی پہلوان تھے جنہیں فاجِر جادُوگر نے بھیجا تھا۔ انہوں نے میدانِ جنگ میں نہ جانے نے بہت بہانے کیے، مگر مہدی نے کوئی بہانہ قبول نہ کیا۔ آخر کار وہ سب گئے اور جاتے ہی معزل شاہ کے پہلوانوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور اُسی وقت بادشاہ کے سامنے

پیش کیا۔ بادشاہ نے حُکم دیا کہ اِن سب کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ یہ سُنتے ہی وہ رونے پیٹنے اور گڑگڑانے لگے کہ ہمیں کیوں مارتے ہو۔ ہم تو تمہاری ہی فوج کے آدمی ہیں۔ فاجِر جادُو نے طِلسم کے زور سے مہدی کے چالیس پہلوان گرفتار کیے تھے اور ہماری شکلیں اُن پہلوانوں کی سی بنا کر مہدی کے لشکر میں بھیجا تھا تاکہ ہم اُس کی فوج میں ابتری پھیلائیں۔ اصلی پہلوان تو فاجِر جادُوگر کے قبضے میں ہیں۔ غرض بہت آہ و زاری کی، مگر معزل شاہ نے ایک نہ سُنی اور حبشی جلّادوں کے ذریعے سب کی گردنیں اُڑوادیں۔ قتل ہوتے ہی یہ سب پہلوان اپنی اصلی صورتیں پر آ گئے۔

اب تو معزل شاہ نے رنج و غم سے سر پیٹ لیا۔ اُسی وقت فاجِر کے پاس حُکم بھیجا کہ جلد حاضر ہو اور مہدی کے جِن چالیس پہلوانوں اور سالاروں کو تُو نے گرفتار کر کے اپنے پاس رکھا ہے، اُنھیں بھی اپنے ہمراہ لا۔

فاجِر نے جواب میں کہلوا دیا کہ یہ پہلوان بہت ہی خطرناک ہیں۔ بادشاہ اُنہیں قید میں رکھنے میں کام یاب نہیں ہو سکتا۔ جوں ہی مہدی کو اُن کے غائب ہونے کا پتا چلے گا، وہ دھاوا بولے گا اور انہیں رہا کرا کے لے جائے گا، لہٰذا میں اُنہیں اپنے استاد آغور جادُو کی خدمت میں لے جاتا ہوں تاکہ قید خانۂ طِلسم میں داخل کیے جائیں۔ آپ بھی مہدی کا مُقابلہ نہیں کر سکیں گے اِس لیے جان بچانا چاہیں تو غارِ طِلسم میں تشریف لے آئیں۔

یہ پیغام پاتے ہی معزل شاہ کے چھکّے چھوٹ گئے۔ اپنے چند خادموں اور وزیروں کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ سے بھاگا۔ اُس کے لشکر کے دس ہزار آدمی، جو جادُو نہیں جانتے تھے، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ اٹھارہ ہزار آدمی میدانِ جنگ میں قتل کیے گئے۔ شہر اور محل پر سیّد مہدی کا قبضہ ہوا۔

اِس فتح کے بعد مہدی نے لَوح کو دیکھا۔ لکھا تھا۔ "اے صاحبِ لَوح! واضح ہو کہ معزل شاہ بھاگ کر غارِ طِلسم میں پناہ گزین ہوا ہے۔ اُس کا تمام خزانہ اُس محل میں پوشیدہ ہے جو قلعہ آبگینہ کے غائب ہونے کے بعد کوہِ حجر پر نمودار ہوا تھا۔ اُس خزانے کے قُفل کی کُنجی تمہارا زورِ بازو ہے۔"

سیّد مہدی اُس عالی شان عمارت میں داخل ہوا اور قُفل کھولا۔ گُنبد کے بیچ میں سنگِ مرمر کا ایک چبوترا تھا۔ زمرّد سے بنا ہوا ایک ہرن کھڑا دکھائی دیا۔ اُس کی آنکھوں کی جگہ بڑے بڑے دو یاقوت لگے تھے جن کی قیمت پوری سلطنت بھی کم تھی۔ ہرن کے سینگ خالص سونے کے تھے اور اُس کے کھروں پر مروارید جڑے گئے تھے۔ دانتوں کی جگہ ہیرے جواہر لگے تھے۔ مہدی نے یہ ہرن دیکھا اور حیران ہوا کہ کس قدر زر و جواہر اِسے بنانے میں صرف ہوا ہوگا۔

لَوح سے مشورہ کیا تو وہاں یہ عبارت ظاہر ہوئی :

"اے صاحبِ لَوح! حیران کیا ہوتا ہے۔ ایک ایک کر کے ہرن کے ہاتھ پاؤں اور سینگ کو حرکت دے۔ اِس کے بعد خُدا کی قُدرت کا تماشا کر۔"

سیّد مہدی نے سب سے پہلے سینگوں کو حرکت دی۔ پلک جھپکتے میں ہرن کے مُنہ سے اِس قدر موتی گِرے کہ اُونچا ڈھیر بن گیا۔ اُن میں بعض موتی سفید، بعض سُرخ اور بعض سیاہ تھے۔ دوسرے سینگ کو ہلایا تو ہرن کے ایک کان سے یاقوت اور دوسرے کان سے زمرّد گِرے۔ دُم ہلائی تو ناک کے ایک سوراخ سے الماس اور دوسرے سے لعل برآمد ہوئے۔

مہدی نے یہ سب انمول خزانہ اپنے قبضے میں کیا۔ بہت سے ہیرے جواہر دوستوں میں بھی تقسیم کیے۔ سب خوش ہوئے۔

اِس کے بعد لَوح کے حُکم سے سنگِ مرمر کا چبوترا اُکھڑا۔ اُس کے نیچے

سے تہہ خانہ ظاہر ہوا۔ اِس تہہ خانے میں طرح طرح کے ہتھیار جمع تھے۔ درمیان میں ایک قبر دِکھائی دی۔ قبر پر تیر، کمان، ایک کتاب اور ایک تختی دھری تھی۔ سیّد مہدی نے سب سے پہلے تختی اُٹھائی۔ اُس پر لکھا تھا:

"اے اِس طِلسم کے توڑنے والے! میرا نام جبّار شاہ تھا۔ میں جادُو اور طِلسم کا ماہر تھا۔ حکیم فیثا غورث کا شاگرد تھا۔ یہ طِلسم میں نے بڑی محنت سے ایک سو برس کے اندر تیّار کیا۔ آخر جادُو سے توبہ کی اور خُدا کو پہچانا۔ اب یہ تیر اور کمان تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اِس تیر کمان کے عجائبات تُجھے سونے کی لَوح سے معلوم ہوں گے جو پہلے ہی سے تیرے قبضے میں ہے۔ انصاف سے کام لے اور اچھّے کاموں میں زندگی بسر کر۔ جب یہاں سے رُخصت ہو تو میرے حق میں بھی دُعا کرنا کہ خُدا میری مغفرت کرے۔"

سیّد مہدی نے حکیم جبّار شاہ کے حق میں سچّے دِل سے دُعا کی۔ پھر تہہ خانے

سے باہر آیا اور سونے کی لَوح کو دیکھا۔ لکھا تھا :

"اِس کمان کا نام سہامِ سیّارہ ہے۔ یہ تیر جادُوگروں کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوں گے اور جب بھی تو انھیں کمان سے پھینکے گا، یہ تیرے دُشمنوں کو ہلاک کر کے واپس تیرے ترکش میں آ جایا کریں گے۔ اِن تیروں کا اثر صرف تیری زندگی تک باقی رہے گا۔ اِس کے بعد یہ بے کار ہو جائیں گے۔"

سیّد مہدی اِن تیروں اور کمان کے خواص جان کر بہت خوش ہوا۔ پھر اُس کتاب کو کھولا جو جبّار شاہ کی قبر پر رکھی ہوئی تھی۔ اُس میں نجوم اور حکمت کے بے شمار خُفیہ عِلم بتائے گئے تھے۔ مہدی نے یہ کتاب ابُو الخیار نجومی کو عطا کی۔

سُرخ ستارے کی گرفتاری

سات دِن آرام کرنے کے بعد سیّد محمد مہدی نے لَوح کو دیکھا۔ حاشیے پر لکھا تھا:

"اے صاحبِ لَوح! اب تُو اپنا لقب سلطان اختیار کر۔ اِس لیے کہ خُدا نے تُجھے سلطنت کا سلطان (بادشاہ) بنایا ہے۔ یہاں سے کوچ کر اور فلاں پہاڑ کے درّے میں داخل ہو۔ پانچ میل چلنے کے بعد ایک میدان میں پہنچے گا۔

اِس میدان میں گلاب کے عرق کا بہت بڑا حوض نظر آئے گا۔ بس اِسی جگہ قیام کرنا۔"

سلطان مہدی اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہوا۔ جس مقام کا پتا لَوح نے دیا تھا، وہاں عرقِ گلاب کا بڑا حوض دیکھا جس میں پہاڑ سے عرق آ کر برابر گِرتا تھا۔ حوض کے چاروں طرف ہزار ہا قسم کے پودوں اور درختوں کی کثرت تھی۔ سلطان مہدی نے عِماد جِن کو طلب کر کے حُکم دیا کہ معلوم کرو یہ عرقِ گلاب کہاں سے آتا ہے اور اِس کا سبب کیا ہے۔ عِماد جِن نے ادب سے گردن جھکائی اور پلک جھپکتے میں غائب ہو گیا۔

اب سلطان مہدی نے معزل شاہ کا حال معلوم کرنے کے لیے لَوح سے مدد لی۔ لکھا تھا :

"وہ فاجِر کے ساتھ آغور جادُو کے طِلسم میں داخل ہوا ہے اور سب اُستاد

شاگرد مل کر جادُو کا عمل کرنے میں مصروف ہیں۔ تُجھے چاہیے کہ پہلے اِن جادُوگروں کی فکر کرے اور اِس کام میں بزرگوں سے مدد طلب کرے۔"

یہ دیکھ کر سُلطان مہدی نے الگ تھلگ خیمے میں عبادت شروع کی۔ تین دِن، تین راتیں برابر دُعا میں مصروف رہا۔ آخر اتنا اشارہ ملا کہ اِسی پہاڑ پر ایک جگہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ وہاں جاؤ اور ایک رات عبادت خُدا میں کاٹو، تب کام یابی نصیب ہوگی۔ سلطان وہاں حاضر ہوا۔ اِس مزار پر رات بھر قیام کیا۔ فجر کے وقت نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھا کہ انار کا ایک درخت ہے اور اُس درخت کی شاخ پر زمرّد کی بنی ہوئی نہایت خوب صورت قندیل روشن ہے۔ قندیل کے اوپر چھوٹا سا ایک حسین پرندہ بیٹھا چہچہا رہا ہے۔ سلطان جب اس پرندے کی طرف متوجّہ ہوا تو اُس نے کہا :

"اے سلطان عالی شان! میں اِس بزرگ کی روح ہوں جو اِس قبر میں آرام

کر رہے ہیں۔ یہ ایک پتّا تُجھے دیتا ہوں۔ اِس پر جو لکھا ہے، وہ تیرے فائدے کے لیے ہے۔ اُس کے مطابق عمل کر اور اپنی مراد کو پہنچ۔"

اِس کے بعد مہدی کی آنکھ کُھل گئی۔ وہ پتّا جو خواب میں پرندے نے عطا کیا تھا، اپنے سرہانے پڑا پایا۔ اُس پر یہ عبارت باریک حروف میں درج تھی :

"اے سیّد! حملان جادُوگر اِس تاک میں ہے کہ جب تُم اپنے لشکر سے الگ ہو، وہ تمہارے سپاہیوں اور پہلوانوں کو ہلاک کرے۔ عِماد جِن کو حُکم دو کہ وہ تمہاری غیر حاضری کے دِنوں میں تُم جیسی صورت بنا کر لشکر میں رہے تاکہ سب کو اطمینان ہو کہ تُم لشکر میں موجود ہو اور تمہارے دُشمن جادُوگر بھی خوف زدہ رہیں۔

اِس کے بعد تُم ساٹھ جی داروں اور بہادروں کو اپنے ساتھ لے کر غارِ

ظُلمت میں جاؤ۔ کالے رنگ کا ایک مُرغ غار کے مُنہ پر بیٹھا ہو گا۔ اُسے

جبّار شاہ کے تیر کمان کے ذریعے ہلاک کرنا۔ اُس مُرغ کے بدن سے جو

خُون نکلے گا، اُس سے مشعل تیّار کر کے روشن کرنا اور پھر غار کے اندر

جانا۔ جب دو کوس دُور جاؤ گے تب آگ کا ایک قلعہ دِکھائی دے گا۔ یہ قلعہ

جادُوگروں نے جادُو کے زور سے تیار کیا ہے۔ قلعے سے پچاس گز پہلے ہی

ایک چشمہ ہے۔ ایک اِسم بتایا جاتا ہے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو سِکھانا اور

ہدایت کرنا کہ ہر شخص تین تین بار یہ اِسم پڑھ کر اُس چشمے میں نہائے۔ تاکہ

جادُو کی آگ اُسے نقصان نہ پہنچا سکے۔ جب آتشی قلعے کے قریب پہنچو

گے، اُس کا دروازہ نظروں سے غائب ہو جائے گا۔ وہیں ڈیرا ڈال دینا۔

آدھی رات کے بعد آگ کا بنا ہوا ایک پرندہ قلعے کی فصیل پر دِکھائی دے

گا۔ یہ پرندہ اصل میں قلماس جادُو ہے اور اِس قلعے کا دربان ہے۔ فوراً جبّار

شاہ کے کمان سے اُس پرندے کو ہلاک کرنا۔ صبح ایک قلعے کا دروازہ ظاہر ہو جائے گا۔ اُسی وقت اپنے ساتھیوں سمیت اندر گھس جانا۔ سات جادُوگر تُم سے جنگ کرنے آئیں گے۔ اُن کے نام یہ ہیں :

معزل شاہ، فاجِر، شوماخ، کرخون، ایمار، آغور اور بولاق۔ سات تیر تمہارے پاس موجود ہیں۔ ہر جادُوگر ایک تیر سے مارا جائے گا۔ اِس کے بعد سونے کی لَوح سے ہدایت لے کر آگے قدم بڑھانا۔"

سُلطان مہدی واپس اپنے لشکر میں آیا اور عِماد جِن کو طلب کر کے اُسے اپنی صُورت کا بن کر لشکر میں دن رات حاضر رہنے کا حُکم دیا۔ عِماد نے سُلطان مہدی کو بتایا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جہاں انسان کا قدم رکھنا محال ہے، خُدا نے گلاب کے بے شمار پودے پیدا کیے ہیں اور انہی کا پانی ہے جو رِس رِس کر اِس حوض میں جمع ہوتا ہے۔ یہاں شہیدوں کو غُسل کرنے

کا حُکم ہے۔ اور اِسی لیے حوض کا پانی بابرکت ہے۔ اِس پر کسی قسم کا جادُو اثر نہیں کرتا۔

سُلطان مہدی ساٹھ سرداروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ آتشی قلعہ فتح کیا اور ساتوں جادُوگروں کو جبّار شاہ کے عطا کیے ہوئے تیر کمان سے باری باری ہلاک کیا۔ اُن میں معزل شاہ بھی شامل تھا۔

اب کچھ حال افریقیہ کے حاکم عبدالعزیز کا سُنیے۔ جب اُس نے سُنا کہ مہدی نے اِقطاع پہلوان کو پچھاڑا اور اپنا فرماں بردار کیا ہے تو اُس کے غم و غصّے کی انتہا نہ رہی۔ پھر اُسے خبر ملی کہ سُلطان مہدی طِلسم جبّاران کی فتح کو نکلا ہے اور اُس میں اتنی مشکلیں ہیں کہ مہدی کا زندہ سلامت واپس آنا محال ہے۔ یہ خبر عبدالعزیز کے لیے خُوشی کا باعث بنی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اپنے ایک سالار مہلال کو بیس ہزار سواروں کے ساتھ ارشن آباد پر حملہ

کرنے کا حُکم دیا اور سختی سے ہدایت کی کہ سیّد رُکن الدّین سے پچھلے دو سالوں کا دُگنا خراج وصول کرو اور اگر وہ خراج ادا کرنے میں کُچھ حیل و حجّت کریں تو قتلِ عام شروع کر دو اور سادات کے ایک ایک بچّے، مرد اور عورت کسی کو ہر گز زندہ نہ چھوڑو۔

مہلال سپہ سالار آندھی طوفان کی طرح بیس ہزار مسلح سواروں کے ساتھ ارشن آباد کی جانب روانہ ہوا۔ سیّد رکن الدّین نے جب مہلال کے آنے کی اطلاع پائی تو فکرمند ہوئے اور سمجھ گئے کہ مہدی کے غیر حاضر ہونے کے سبب افریقیہ کا حاکم شرارت پر تُل گیا ہے۔ اُنھوں نے مہلال کو پیغام بھیجا کہ چند دِن صبر کرو۔ سیّد مہدی جس مہم پر گیا ہے، وہاں سے بخیر و عافیت واپس آ جائے، تب بات کرنا۔ اگر مناسب ہوا تو ہم دُگنے کے بجائے تِگنا خراج بھی ادا کر دیں گے۔

لیکن مہلال کے سر پر تو خُون سوار تھا۔ اُسے عبدالعزیز نے خوب سِکھا پڑھا کر روانہ کیا تھا کہ سادات کی چکنی چپڑی باتوں میں ہر گز نہ آنا۔ چناں چہ اُس نے ایک روز جنگ کا اعلان کر دیا۔

جُوں ہی نقّارے پر چوٹ پڑی اور مہلال کے سواروں نے نعرے لگائے، سیّد رُکن الدّین نے بھی طبلِ جنگ بجوایا اور اپنے جی داروں اور بہادروں کی بچی کھُچی فوج لے کر قلعہ ارشن آباد سے باہر نکلے۔ اُس زمانے کے طریقۂ جنگ کے مطابق ایک سوار مہلال کی فوجوں میں سے گھوڑا بڑھا کر آگے آیا اور لڑائی کے لیے للکارا۔ سادات کی طرف سے ایک نوجوان نا تجربے کار نے جوش میں آ کر میدانِ کارزار میں نکلنے اور حریف سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر سیّد رُکن الدّین نے اُسے روکا اور خود بدن پر ہتھیار لگائے، نیزہ ہاتھ میں لیا، کمان کندھے پر ڈالی، تلوار پہلو میں لٹکائی اور

مردانہ شان سے میدان میں آئے۔ اُس وقت اُن کی عُمر اسّی برس کے لگ بھگ تھی، لیکن اِس بڑھاپے میں بھی چہرے سے خُون جھلکتا تھا۔

جنگ شروع ہوئی تو تھوڑی ہی دیر میں سیّد رُکن الدّین نے تلوار کا ایسا جچا تُلا ہاتھ مارا کہ مہلال کے پہلوان کی گردن بھٹّا سی اُڑ کر دور جا گری اور بے سر کا لاشہ گھوڑے سے گر کر خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ اِس روز بُوڑھے سیّد نے مہلال کے چھ پہلوانوں کو قتل کیا۔

آخر مہلال نے غضب ناک ہو کر عام حملے کا حُکم دیا۔ پھر تو ایسی خوں ریز جنگ ہوئی کہ خُدا کی پناہ۔ سادات نے جان توڑ کر مُقابلہ کیا، لیکن بے چارے کب تک میدان میں ٹھہرتے۔ اُن کے ایک آدمی کے مُقابلے میں مہلال کے دس سوار تھے۔ آخر شکست کے آثار دِکھائی دینے لگے۔

اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ دو بہت کم عُمر لڑکے چہروں پر نقاب ڈالے،

ہاتھوں میں تلواریں لیے، گھوڑوں پر سوار ایک جانب سے نمودار ہوئے اور بجلی کی طرح مہلال کی فوجوں پر ٹوٹ پڑے۔ آناً فاناً اُنھوں نے بدبخت مہلال کے سواروں اور پیادوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔ اُن کی اتنی ہیبت بیٹھی کہ بڑے بڑے شہ زور پہلوان سامنے آتے ہوئے کتراتے تھے۔

یکایک مہلال اور سیّد رکن الدّین کا آمنا سامنا ہوا۔ مہلال نے سیّد کے لوہے کا تین مَن وزنی گُرز مارا۔ سیّد نے فولادی ڈھال پر اُس کا وار روکا اور اِس زور سے تلوار اُس کے شانے پر ماری کہ گھوڑے سمیت خربوزے کی پھانک کی طرح کٹ کر زمین پر جا گرا۔

مہلال کا قتل ہونا تھا کہ اُس کے سواروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ جِس کا جِدھر مُنہ اُٹھا، بے تحاشا اُدھر بھاگ نکلا۔ سادات نے دُور تک اُن بھگوڑوں کا پیچھا

کیا اور لاشوں سے پورا میدانِ جنگ پاٹ دیا۔ بے شمار زر و مال اور دوسرا قیمتی سامان اِس فتح میں سادات کے ہاتھ آیا۔ اُسی وقت خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ اِس کے بعد اُن دو نقاب پوشوں کو بہت تلاش کیا، مگر اُن کا کہیں پتا نہ چلا۔ سب حیران تھے کہ آخر وہ کون تھے، کہاں سے آئے اور کدھر کر غائب ہو گئے!

اب آئیے، سُلطان مہدی کے پاس چلیے۔ دیکھیں آتشی قلعہ فتح کرنے اور جادُوگروں کو جہنّم رسید کرنے کے بعد وہ کیا کر رہے ہیں۔ اُنھیں اپنے اُن چالیس پہلوانوں اور سالاروں کی کُچھ خبر معلوم نہیں ہو رہی تھی جنھیں وہ موذی فاجِر جادُوگر گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ بار بار خیال آتا کہ کہیں جادُوگروں نے اُن کا کام تمام تو نہیں کر دیا۔ آخر لَوح پر نگاہ دوڑائی۔ لکھا تھا۔

"اے خوش نصیب نوجوان! تیرے وہ چالیس آدمی زندہ سلامت ہیں۔ کچھ فکر نہ کر۔ تھوڑی سی محنت کے بعد سب تجھ سے آملیں گے۔ اب ایک کام کر اور معزل شاہ اور فاجر کی لاشوں کو چیر اور اُن کے جگر نکال کر جلا۔ اُن میں سے جو روغن نکلے، اُس کی مشعل بنا۔ پھر غار میں داخل ہو۔ جب اِس ڈھلان میں پہنچے جہاں زینے ہیں، تب یہ مشعل اُس میں ڈال دینا۔ یکایک وہ ڈھلان پانی سے بھر جائے گی اور اُس میں موجیں اُٹھیں گی۔ پھر مختلف رنگوں کے ستارے اُس میں سے نکل نکل کر ہوا میں اُڑیں گے۔ اُن ہی میں ایک ستارہ سُرخ رنگ کا ہو گا۔ جیسے ہی وہ ستارہ پانی سے اُبھرے عماد جن کو چاہیے کہ فوراً اُسے ہاتھ میں پکڑے۔ یہ اِس واسطے کہ عماد جن کی پیدائش بھی آگ سے ہے۔ جب ستارہ ہاتھ میں آجائے گا تو ایسا لگے گا جیسے کسی شیشے کے گولے میں کبوتر کا خون بھرا ہوا ہے۔ اُس کی

روشنی اتنی تیز ہوگی جیسے آفتاب نکل آئے۔ پانی کی تہہ میں سب کُچھ نظر آنے لگے گا۔ عماد جن کے ہاتھ سے ستارہ پکڑ کر زینے کے چاروں طرف گھومنا۔ ایک جگہ پانی میں بھنوّر سے اُٹھتے دِکھائی دیں گے۔ وہیں اس ستارے کو اُلٹا کر دینا۔ دیکھتے دیکھتے اُسی بھنوّر سے کشتیاں ظاہر ہوں گی۔ چھلانگ لگا کہ آخری کشتی پر سوار ہو جانا۔ اس کشتی میں ایک بد صُورت سیاہ چہرے والی عورت سوار ہو گی۔ خبردار! اُس سے نفرت نہ کرنا، بلکہ ہمدردی اور عزّت سے پیش آنا۔ وہ عورت تیرے بہت سے کام کرے گی۔ اِس کارروائی کے بعد ضرورت ہو تو لَوح دیکھ لینا۔"

سُلطان مہدی نے اُن ہدایات پر عمل کیا۔ عِماد جِن نے جب وہ سُرخ ستارہ ہاتھ میں پکڑا تو تکلیف سے اُس کی چیخیں نکل گئیں۔ اُس نے کہا، اگر اِس ستارے کو کوئی انسان پکڑتا تو ایک سیکنڈ میں جل کر راکھ ہو جاتا۔ یہ جِن

ہی کا کام تھا کہ ستارے کو تھام لیا۔ سُلطان مہدی نے اِسم اعظم پڑھ کر پہلے اپنے دائیں ہاتھ پر دَم کیا۔ پھر عماد جِن سے ستارہ لے لیا۔ اُس میں سے اِس قدر تیز روشنی پھوٹ رہی تھی کہ نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ جب اُسے بھنور کے اوپر اُلٹا کیا گیا تو اُس میں سے چنگاریاں نِکل کر پانی میں گِریں۔ اُن کے گِرتے ہی سینکڑوں بھنور اور پیدا ہوئے اور ہر بھنور میں سے ایک کشتی نکلی۔ ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی۔

سُلطان مہدی نے دیکھا کہ اُن ایک سو کشتیوں میں سے چالیس کشتیوں پر اُس کے وہ پہلوان اور سالار بیٹھے ہیں جنھیں فاجِر جادُوگر نے گرفتار کیا تھا۔ سُلطان نے سب کو نام لے لے کر آواز دی اور وہ کُود کُود کر ڈھلان سے باہر آ گئے۔

آخر میں ایک اور کشتی دِکھائی دی جس میں ایک بد صورت عورت سوار تھی۔

اُس کے چہرے کا رنگ توے کی طرح کالا تھا۔ سر کے بال اُلجھے اور بِکھرے ہوئے تھے۔ اور سفید سفید دانت ہونٹوں سے باہر جھانک رہے تھے۔ جوں ہی کشتی قریب آئی، سُلطان مہدی نے چھلانگ لگائی اور اُس پر سوار ہو گیا۔ عورت نے مُنہ پھیر کر کہا:

"اے نوجوان! تیرا اِس کشتی پر کیا کام ہے؟ جا کہیں اور قسمت آزما۔"

یہ سُن کر مہدی نے کہا۔ "واہ وا! کتنی حسین عورت ہے۔ سُبحان اللہ۔"

وہ عورت ایسی غمگین ہوئی کہ سِسکیاں لے لے کر رونے لگی اور بولی:

"تُم بھی میرا مذاق اُڑاتے ہو۔ کاش! تمھیں خبر ہوتی کہ میں کِس مُصیبت میں مبتلا ہُوں۔"

"ابھی سب مُصیبت دور ہوئی جاتی ہے۔" سُلطان نے کہا۔ اور گلے سے

لَوح اُتار کر اُس کا عکس عورت پر ڈالا پھر اِسمِ اعظم پڑھ کر دم کیا۔ ایک دم اُس عورت کی صورت بدل گئی۔ کہاں تو اتنی بد شکل تھی کہ کوئی اُسے دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا اور کہاں اتنی حسین ہو گی کہ شہزادیوں کو بھی مات کرنے لگی۔ خُود سُلطان مہدی اُس کا حُسن دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا اور پُوچھنے لگا کہ تُم کون ہو اور اِس حالت کو کیسے پہنچیں؟ تب اُس نے یہ کہانی بیان کی:

"اے نوجوان، میں جزائر عمّان کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ میرا نام دُرِّ یکتا ہے اور مُجھے ہلالہ بھی کہتے ہیں۔ ایک جادُوگرنی دھوکے سے مُجھے یہاں لے آئی۔ وہ قید خانہ طِلسم کی چوکیدار تھی اور ملکہ جاوداں کہلاتی تھی۔ آغور جادُو اُس کا ادنیٰ شاگرد اور ماتحت تھا۔ میرا باپ چالیس جزیروں کا اور قہرمان شاہ سو جزیروں کا بادشاہ تھا۔ کسی سبب سے ملکہ جاوداں، قہرمان سے

ناراض ہوگئی اور میرے باپ سے کہنے لگی کہ اگر تُو قہرمان کو قتل کردے تو اُس کے سو جزیروں کی بادشاہت بھی تُجھے ہی مل جائے گی۔

میرا باپ اُس کام کے لیے راضی نہ تھا، لیکن اُس خبیث جادُوگرنی نے اُسے مجبور کیا۔ آخر اُس نے ایک دعوت کا بہانہ کرکے قہرمان شاہ کو اپنے محل میں بُلایا اور دھوکے سے قتل کردیا۔ قہرمان کا ایک لڑکا بہرام تھا جس کی عُمر اُس وقت اُنیس بیس برس کی ہوگی۔ اُس بدنصیب کو قید میں ڈال دیا۔ نہ جانے اب اس کا کیا حال ہے۔ مرگیا یا زندہ ہے۔ ملکہ جاوداں نے بہت چاہا کہ میں بھی جادُو سیکھوں لیکن مُجھے شروع ہی سے اُس سے نفرت تھی اور میں جادُو سیکھنا نہیں چاہتی تھی، اِس لیے ملکہ جاوداں مجھ سے ناراض ہو گئی۔

ایک دِن کا ذکر ہے، میں اپنے محل میں بیٹھی گانا سُن رہی تھی کہ جادُوگرنی

وہاں آئی اور مُجھے اپنے ساتھ لے گئی۔ نہیں معلوم وہ کون سی جگہ تھی۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں پانی کا ایک تالاب سا تھا۔ جادُوگرنی نے مُجھے اُس تالاب میں دھکا دے دیا۔ جب میں تالاب سے باہر نکلی تو مکّار عورت نے مُجھے آئینہ دِکھایا اور میں نے پہلی بار اپنی بدلی ہوئی شکل دیکھی۔ میں خوب روئی اور کہا، او منحوس عورت! تُو نے میری صورت ہی بگاڑ دی۔ آخر اِس سے تُجھے کیا فائدہ ہوا؟ اُس نے قہقہہ لگا کر جواب دیا:

"تیری صورت اِس لیے بگاڑی کہ کوئی شخص تُجھ جیسی بد صُورت سے شادی کرنے کا ارادہ نہ کرے اور تُو ساری عُمر اِس طرح لوگوں کے مذاق کا نشانہ بنی رہے۔ یہ سزا اِس لیے دی ہے کہ تُو نے میری بات ماننے سے اِنکار کیا اور جادُو نہ سیکھا۔"

"کیا ساری زندگی میری شکل ایسی ہی رہے گی؟" میں نے ملکہ جاوداں سے

پوچھا۔ اُس نے پھر قہقہہ لگایا اور بولی :

"اگر میں چاہوں تو ابھی تُجھے اصل شکل پر واپس لے آؤں ، لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔ ہاں ، میرے مرنے کے بعد ایک نوجوان آئے گا اور تُجھے اصل شکل عطا کرے گا۔"

"سات برس ہوئے وہ جادُوگرنی مر گئی اور میں اُس وقت سے اُس طِلسم میں گرفتار ہوں۔ باہر کی دُنیا کا کیا حال ہے ، مُجھے کُچھ خبر نہیں۔ دِن رات اپنی تقدیر کو روتی ہوں کہ کس عذاب میں گرفتار ہوئی۔"

سلطان مہدی نے اُسے بہت دِلاسے دیے اور کہا۔ خُدا کا شکر ادا کرے کہ وہ عذاب دُور ہوا۔ تُجھے تیری اصل صورت مل گئی۔ اب اِس طِلسم کی حقیقت بھی بیان کر۔ اُس نے کہا ، اُس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہاں بعض شریر قوم جنّات میں سے عورتیں رہتی ہیں اور آدم زادوں کو طرح

طرح کے حیلے بہانوں سے اپنے جال میں پھانس لیتی ہیں۔ ایک مرتبہ اُن کے جال میں گرفتار ہونے کے بعد عُمر بھر کوئی قیدی آزاد نہیں ہو سکتا۔ جب چاہتی ہیں اپنی صورتیں بدل لیتی ہیں، اور جب چاہتی ہیں نظروں سے غائب ہوجاتی ہیں۔ اُن کے اصل ٹھکانے کوہ قاف میں ہیں۔ روز ہزاروں میل کا سفر ہوا پر طے کر کے وہاں سے آتی ہیں۔"

یہ قصّہ سُن کر مہدی نے لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"یہ اسم تُجھے بتاتا جاتا ہوں۔ اُسے پڑھ کر اِن کشتیوں پر دَم کر دے۔"

مہدی نے ایسا ہی کیا۔ اِسم پڑھنے کی دیر تھی، کشتوں میں آپ ہی آپ آگ لگی اور سب بھسم ہو گئیں۔ پھر پانی بھی اُبلنا شروع ہوا اور دیکھتے دیکھتے بھاپ کے مرغولے اُٹھنے لگے۔ جب پانی غائب ہو گیا تو ڈھلان میں جا بجا سوراخ سے نظر آئے۔ ہر سوراخ میں ایک اژدہا مُنہ کھولے بیٹھا تھا۔

مہدی نے اژدہوں پر لَوح کا عکس ڈالا تو وہ غائب ہو گئے، اندھیرا چھا گیا اور خوف ناک آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ چند لمحوں بعد اندھیرا دُور ہوا تو سُلطان مہدی نے اپنے آپ کو ہلالہ شہزادی سمیت ایک قلعے کے دروازے پر کھڑے پایا۔ ہلالہ خوشی سے چِلّائی کہ یہی وہ قلعہ ہے جہاں سے ملکہ جاوداں اُسے بہکا کر لے گئی تھی۔ سُلطان مہدی اُسے لے کر قلعے میں گیا تو وہاں نہ آدم نہ آدم زاد۔ ہر طرف ہُو کا سنّاٹا۔ قلعے میں بے شمار مکان بنے ہوئے تھے اور ہر مکان میں آرائش کا سامان موجود تھا۔ بازاروں میں دُکانیں قیمتی مال واسباب سے بھری ہوئی۔ لیکن دکان دار نظر نہیں آتے، نہ گاہک ہیں۔ لَوح کو دیکھا لکھا تھا:

"اے صاحبِ لَوح! خُدا نے اِس طِلسم کو برباد کیا اب تو جلد اِس شہزادی کو لے کر یہاں سے نکل جا کہ کوئی دم میں آگ بھڑکنے والی ہے۔ سیدھا

مغرب کی جانب چلا جا۔ وہاں صحرا میں ایک بڑا سا نقّارہ پڑا دکھائی دے گا۔ اُس پر قریب رکھی ہوئی لکڑی سے تین مرتبہ چوٹ مارنا۔ اِس کے بعد خُدا کی قُدرت کا تماشا کرتا۔“

جُوں ہی سُلطان مہدی اور ہلالہ شہزادی قلعے سے باہر نکلے، آگ بھڑکی اور اُس کے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ پلک جھپکتے میں ہر شے جل کر کوئلا ہوگئی۔ مہدی حسبِ ہدایت مغرب کی طرف دوڑا۔ چند میل صحرا میں چلنے کے بعد ایک بُلند مینار دِکھائی دیا، جس کے نیچے نقّارہ دھرا تھا۔ اُس نے تین مرتبہ نقّارے پر ضرب لگائی۔ ابھی اُس کی آواز فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ مینار کا دروازہ کھُلا اور ایک گراں ڈیل آدمی سر سے پاؤں تک لوہے کی زرہ بدن پر پہنے اور ہاتھ میں گُرز لیے نمودار ہوا۔ اُس نے آگے بڑھ کر سُلطان مہدی پر حملہ کیا۔ مہدی نے ڈھال پہ وار روکا اور جواب میں اپنا

دس من وزنی گُرز مارا۔ دونوں گُرز ٹکرائے۔ ایک بھیانک آواز پیدا ہوئی۔ آگ کی چنگاریاں مہدی کے گُرز میں سے نکلیں اور ایک ہی لمحے میں اُسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اُس کے مرتے ہی پھر مینار کا دروازہ کھُلا اور ویسا ہی ایک اور شخص باہر آیا۔ اُس کے ہاتھ میں تین ہاتھ لمبا نیزہ تھا۔ اُس نے آتے ہی نیزے سے حملہ کیا۔ سلطان مہدی نے وار روکا اور اپنا نیزہ اُس کے سینے میں مارا۔ نیزہ لگتے ہی وہ بھی آگ میں جلا اور راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

اِس طرح آگے پیچھے سات حبشی پہلوان مینار میں سے نکلے اور ساتوں جنگ کرنے کے بعد راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے۔

اتنے میں مینار کا دروازہ آٹھویں بار کھُلا اور اِس مرتبہ ایک جِن باہر آیا۔ اُس کا چہرہ اتنا خوف ناک تھا کہ شہزادی ہلالہ تھر تھر کانپنے لگی۔ جِن نے مہدی کو جھُک کر سلام کیا اور بولا :

"قید خانۂ طِلسم کی فتح مبارک ہو۔"

سُلطان مہدی قید میں

"تُم کون ہو اور یہاں تمہارا کیا کام ہے؟" سُلطان مہدی نے پوچھا۔

"میرا نام تحویل جِن ہے۔ میں اِس طِلسم کا پانچ سو برس سے نگہبان ہوں۔ پرانی کتابوں میں لکھا تھا کہ سادات کے گھرانے کا ایک خوش نصیب نوجوان اِس طِلسم کو فتح کرے گا۔ خُدا کا شکر کہ وہ مبارک وقت آیا اور مُجھے اِس قید سے رہائی ملی۔"

"کیا تُم یہاں قید تھے؟" سُلطان نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔ پانچ سو برس سے اِس مینار میں بند تھا۔ کہیں آنے جانے اور کسی سے ملنے جُلنے کی اجازت نہ تھی۔" تحویل جِن نے جواب دیا۔ پھر سُلطان مہدی اور شہزادی ہلالہ کو مینار کے اندر لے گیا۔

مینار کے اندر ایک وسیع اور عالی شان بارگاہ نظر آئی۔ تخت اور کُرسیاں سب سونے کی۔ فرش پر عمدہ قالین بچھے ہوئے۔ ہر طرف جھاڑ فانوس لگے ہوئے۔ درمیان میں ہیرے جڑی چھتری تھی، جس کے نیچے سُلطان مہدی کی مسند بنائی گئی۔ اِسی وقت تحویل جِن روانہ ہوا اور سُلطان کے تمام پہلوانوں اور سالاروں کو حاضر کیا۔ پھر سواری کے لیے سُفید رنگ کا ایک عراقی گھوڑا لایا گیا جس کا نام فلک سیر تھا۔ سلطان اس پر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ سُلطان اُس کی رفتار

دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور تحویل جِن سے کہا :

"مانگ کیا مانگتا ہے ؟ جو ہمارے بس میں ہے تُجھے عطا کریں گے ۔"

تحویل جِن نے ہاتھ باندھ کر درخواست کی کہ اُسے اپنے عزیز رشتے داروں سے ملنے کے لیے کوہ قاف جانے کی اجازت دی جائے ۔ سُلطان نے بڑی خوشی سے اجازت دی ۔

اِس کے بعد عام جشن منانے کا حُکم دیا گیا ۔ چالیس روز میں دِن رات جشن اور کھیل تماشے ہوئے ۔ پھر لشکر کو کُوچ کی اجازت ملی ۔ اِس وقت مہدی کے لشکر میں ستّر ہزار مسلح سوار اور ایک لاکھ پیادے تھے ۔

اب سُلطان مہدی کو سفر میں چھوڑ کر ہم ایک بار پھر جبلستان میں پہنچتے ہیں ۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حکومت جابل شاہ کے ہاتھ میں تھی ۔ جابل شاہ نے

جب بُت پرستی سے توبہ کی اور کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوا تو مُلک کے تمام بُت خانے گرا دیے گئے تھے اور بُڈّھا قیس بُت پرست اپنی جان بچا کر کہیں رُوپوش ہو گیا تھا۔ اُسے جابل شاہ کے آدمیوں نے بہت تلاش کیا، لیکن اس کا کہیں نشان نہ ملا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے یا تو زمین نگل گئی یا آسمان ہڑپ کر گیا۔ جابل شاہ تو سیّد مہدی کے لشکر میں شامل ہو کر کوہِ ندہام کی جانب گیا، اِدھر قیس اپنے پوشیدہ ٹھکانے سے باہر نکلا اور سیدھا شیخ مغربی کی خدمت میں جا کر اُن کے پاؤں پکڑ لیے اور رو کر کہا کہ حضرت، مُجھے بچا لیجیے۔ میں بُت پرستی سے توبہ کر کے آپ کے سچّے دین میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔

شیخ مغربی نے بُڈّھے قیس کی بات پر اعتماد کیا اور اُسے مسلمان کر کے اپنے پاس ہی رہنے کی اجازت دے دی۔ لیکن یہ مکّار شخص دِل سے مسلمان

نہیں ہوا تھا۔ محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ چند دِن کے اندر اندر اُس نے اپنی عبادت سے شیخ مغربی کو یقین دلا دیا کہ وہ بڑا پرہیز گار بن گیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگوں کے سامنے قیس کی بڑی تعریف کرتے۔ آہستہ آہستہ دوسرے آدمی بھی اُسے ولی ماننے لگے۔

کئی برس گُزر گئے۔ ایک دِن قیس نے شیخ مغربی کی جانب سے ایک وصیّت نامہ تیّار کیا اور اُسے ایک لکڑی کے صندوقچے میں بند کر کے زمین میں دفن کیا۔ پھر اُس جگہ پر ایک درخت لگا دیا۔ جب وہ درخت خاصا اونچا ہوا اور اُس نے زمین میں اپنی جڑیں گہری کر لیں تو قیس نے شیخ مغربی کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ پھر خود ہی رونے پیٹنے اور چیخنے چلّانے لگا۔ لوگ جمع ہوئے اور سب نے شیخ مغربی کے انتقال پر رنج اور صدمے کا اظہار کیا۔ قیس نے کہا کہ مرتے وقت شیخ نے حُکم دیا تھا کہ فلاں درخت اُکھاڑ کر

اُس کی جگہ میری قبر بنانا۔

لوگوں نے فوراً اُس درخت کو اُکھاڑا اور قبر کھودنی شروع کی تو وہاں سے لکڑی کا صندُوقچہ نکل آیا۔ صندوقچہ کھولا تو اُس میں سے شیخ مغربی کا وصیّت نامہ برآمد ہوا۔ اُس میں لکھا تھا : "میں وصیّت کرتا ہوں کہ قیس کو میری جگہ بٹھایا جائے اور ہر شخص اُس کے حُکم پر عمل کرنا اپنا فرض جانے۔ جو اُس کے حُکم کی خلاف ورزی کرے، اُسے فوراً قتل کیا جائے۔ جابل شاہ سے تخت و تاج چھین کر سُلطان مہدی کے سپُرد کیا جائے۔ پھر وہ قیس سے پُوچھ کر جسے چاہے، بادشاہ بنائے۔"

سب لوگ یہ وصیّت نامہ سُن کر حیران ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یقین نہیں آتا یہ وصیّت نامہ شیخ مغربی نے لکھا ہو گا۔ قیس نے لوگوں کو کھُسر پھُسر کرتے پایا تو غضب ناک ہو کر بولا :

”جو شخص اِس وصیّت نامے کے بارے میں شک اور شُبہے کا اظہار کرے گا، اس کی زبان گدّی سے کھینچ لی جائے گی۔ یہ سُن کر لوگ ڈرے اور خاموشی سے چلے گئے۔

اِس کام سے فارغ ہو کر مکّار قیس نے افریقیہ کے حاکم عبدالعزیز کو خط میں سارا حال لکھا اور اس پر زور دیا کہ اگر وہ کسی تدبیر سے سُلطان مہدی کو گرفتار کر کے قتل کرنے میں کام یاب ہو جائے تو یہ تمام سلطنت اس کے قبضے میں دوبارہ آ سکتی ہے۔ افریقیہ کے علاوہ وہ کوہِ ندہام اور جبلستان کا مالک بھی بن جائے گا۔ لیکن سُلطان مہدی کے پاس بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اُس پر جادُو کا اثر نہیں ہوتا اور نہ اسے جنگ میں شکست دی جا سکتی ہے۔ اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص جو عیّاری اور چالاکی میں بے مثال ہو، سُلطان کے گرد ایسا جال بچھائے کہ وہ اُس

میں سے نکل سکے۔ پھر پَو بارہ ہیں۔

اِدھر توقیس نے عبدالعزیز کو یہ خط لکھا اور اُدھر ایک قاصد سُلطان مہدی کے پاس روانہ کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ شیخ مغربی نے قضائے الہیٰ سے انتقال فرمایا اور اپنی جگہ مُجھے سونپی ہے۔ لیکن مُجھے خطرہ ہے کہ افریقیہ کا حاکم عبد العزیز مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دے گا۔ اس سے پہلے بھی اُس نے پہلوان مہلال سپہ سالار کر لشکر جرار دے کر ارشن آباد پر حملہ کروایا تھا۔ مگر وہاں اُسے شکست فاش ہوئی۔ اِس سے وہ دُم کٹی چھپکلی کی طرح تلملا رہا ہے اور بدلہ لینے کی فکر میں ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ تم اِس سانپ کا پھن کُچل ڈالو تاکہ یہ فِتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو اور خُدا کی مخلوق اطمینان کا سانس لے سکے۔"

سُلطان مہدی اس پیغام سے خوش ہوا اور جواب میں کہلوا دیا کہ گھبراؤ

مت، ہم آ رہے ہیں اور آتے ہی عبد العزیز سے دو دو ہاتھ کریں گے۔
اس کے بعد اُنہوں نے وفا عیّار کو طلب کیا اور حُکم دیا کہ جتنی جلدی مُمکن ہو، ارشن آباد پہنچ کر سیّد رکن الدّین کو اِطّلاع دے کہ ہم آتے ہیں۔ وفا عیّار دِن رات ایک کرتا، منزلوں پر منزلیں مارتا، ایک ماہ کی راہ دس دِن میں طے کر کے ارشن آباد پہنچا۔ سیّد رکن الدّین کو سارا حال سُنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔

سلطان نے جبلان کوہ تن کو پانچ سو سواروں کے ساتھ عبد العزیز کی جانب روانہ کیا اور کہلوایا کہ اپنی شرارتوں سے باز آ جا ورنہ عبرت ناک سزا بھگتنے کے لیے تیّار رہ۔ یہ پیغام سُن کر عبد العزیز کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ دِل میں کہا، خواہ مخواہ سوئے ہوئے شیر کو چھیڑا۔ ابھی جبلان کوہ تن کو سیّد مہدی کے پیغام کا جواب نہ دینے پایا تھا کہ اُس کے عیّار حُمرہ نے آن

کر خبر دی کہ تاشان اور ثعبان دونوں بھائی ستّر ہزار سوار لے کر بغداد سے تیری مدد کے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔ اُنھیں بھی سلطان مہدی کے خطرناک ارادوں کا پتا چل گیا ہے اور وہ میدانِ جنگ میں اپنی فوجوں سمیت تیرے ساتھ شریک رہیں گے۔ یہ سُنتے ہی عبدالعزیز خوش ہو گیا اور بڑے غرور سے جیلان کوہ تن کو جواب دیا کہ جاؤ اور اپنے آقا سے کہہ دو کہ ہم جنگ کے لیے تیّار ہیں اور اُسے چیونٹی کی طرح مسل دیں گے۔

جبلان کوہ تن نے یہ الفاظ سُنے، طیش میں آن کر تلوار نکال لی۔ اور آگے بڑھ کر عبدالعزیز کے ناک کان کاٹ لینے کا ارادہ کیا۔ مگر اُس کے ہمراہوں نے سمجھا بُجھا کر روک دیا۔ واپس آ کر اُس نے سُلطان کو سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ اُس نے فوراً جنگ کی تیّاریاں کیں اور عِماد جِن کو اپنی غیر حاضری میں طِلسم ہفت بازار کا بادشاہ، تحویل جِن کو، جب وہ کوہ قاف سے واپس آئے، قلعہ

زندان کا حاکم اور صبیح جِن کو عِماد کا وزیر مقرّر کر کے ارشن آباد کی طرف لشکر کو سفر کا حکم دیا۔

راہ میں تاشان اور ثعبان کی فوج سے آمنا سامنا ہوا دونوں لشکروں کے درمیان ایک دریا حائل تھا۔ مہدی نے پہلے تاشان اور ثعبان سے نپٹ لینے کا ارادہ کر کے وہیں ڈیرے ڈال دیے اور اُن دونوں کو پیغام بھجوایا کہ تُم دریا پار کر کے ہماری طرف آتے ہو یا ہم خود آئیں؟ اُنھوں نے بڑی دلیری سے کہلوایا کہ تُم تکلیف نہ کرو۔ ہم خود تمہاری سرکوبی کے لیے آ رہے ہیں۔ غرض دو روز بعد ثعبان اور تاشان کے لشکر نے دریا پار کیا۔ اِس دوران میں سلطان مہدی نے اپنے لشکر کو کئی حصّوں میں تقسیم کر لیا۔ ملک عروش کو بیس ہزار سوار کے ساتھ دریا کے دائیں کنارے مقرّر کیا کہ خواہ کُچھ ہو دُشمن کو اِدھر سے نہ آنے دینا۔ بائیں جانب کا محاذ اقطاع

پہلوان کے سپرد کیا اور تیر اندازوں کی فوج اس کے حوالے کی۔ درمیان کا
محاذ خود سنبھالا۔

صُبح دم دُشمن نے طبلِ جنگ بجایا اور حملہ شروع کیا۔ دوپہر تک خوب
تلوار چلی۔ دونوں طرف کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ بے اندازہ
زخمی ہوئے۔ آخر تاشان اور ثعبان کی فوجوں کے پاؤں اُکھڑے۔ بھاگتے
ہوئے بہت سے سوار دریا میں ڈوبے۔ اقطاع پہلوان نے تاشان کو گھیر کر
پکڑا۔ وہ مُقابلے پر تیّار ہوا تو پہلوان نے اُسے کمر سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور اِس
زور سے زمین پر مارا کہ ساری ہڈّیاں پسلیاں چٹخ گئیں۔ مُنہ سے خُون کی قے
کرنے کے بعد وہیں دم دے دیا۔ اِدھر ملک عروش نے ثعبان کو للکارا۔
وہ دُم دبا کر بھاگا۔ مگر جاتا کہاں؟ موت نے راستہ دیکھ لیا تھا۔ عروش
پہلوان نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ سینے کے پار ہوا اور دریا پار کرنے سے

پہلے ہی موت کی سرحد پار کرگیا۔ اُن کی فوجوں کے دو سردار بہرام اور شہرام گرفتار ہوئے اور کلمۂ توحید سچّے دِل سے پڑھ کر جان بچائی۔

جب اِس شکست کی خبر عبدالعزیز تک پہنچی تو اس نے سر پیٹ لیا۔ اب اُسے ہر لمحہ موت کا فرشتہ اپنے سر پر منڈلاتا دکھائی دینے لگا۔ آخر قیس کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کا ارادہ کر کے ثعلبہ عیّار کو اپنے پاس بُلوایا۔ یہ بڑا چالاک اور اپنے فن میں کامل شخص تھا اور اِس کا کاٹا پانی نہ مانگتا تھا۔ عبد العزیز نے اُسے انعام کا لالچ دے کر عیّاری کے جال میں سُلطان مہدی کو پھانسنے کا حُکم دیا۔

ثعلبہ نے کوہِ جُمرہ کے دوسری جانب ایک بستی آباد کر رکھی تھی، جہاں وہ اپنے شاگردوں کو عیّاری کی تعلیم دیا کرتا اور مکّاری، چال بازی، فریب اور دھوکا دہی کے گُر سکھایا کرتا تھا۔ بستی کے باہر اُس نے آتش بازی کا

ایک عجیب و غریب باغ بھی لگا رکھا تھا۔ اُس باغ کی بڑی دھوم تھی۔ جو دیکھتا، دانتوں تلے انگلیاں دے لیتا۔

ثعلبہ نے عبدالعزیز سے کہا۔ "مُجھے چند روز کی مہلت عطا کی جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سات دِن کے اندر اندر سُلطان مہدی کو اپنی عیّاری کے جال میں باندھ کر آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ اگر ایسا نہ کر سکوں تو آپ کو پورا اختیار ہو گا کہ جو سلوک چاہیں، مُجھ سے فرمائیں۔"

عبدالعزیز نے خوش ہو کر اسے ایک ہزار اشرفیاں اور نُقرئی گھوڑا انعام میں دیا اور کہا۔ "اگر تُو اپنے مقصد میں کام یاب ہو گیا تو اتنا مال دوں گا کہ خواب میں بھی نہ دیکھا ہو گا۔"

ثعلبہ وہاں سے واپس آ کر اپنے مکان پر آیا اور ایک بُڈّھے پھُونس غریب لکڑہارے کا بھیس بھر کر صحرا میں اُس مقام پر پہنچا جہاں سُلطان مہدی ایک

دو مرتبہ شکار کی تلاش میں آیا تھا۔ اتّفاق سے اُس روز بھی سُلطان شکار کے لیے اپنے دوستوں ملک عروش، ملک شجاع، جبلان کوہ تن وغیرہ کے ساتھ نکلا تھا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک بُڈّھا زندگی سے بیزار، موت کی آرزو میں بیٹھا رو رہا ہے۔ سُلطان کو اس پر ترس آیا۔ پوچھا:

"بڑے میاں، تم کون ہو؟ تم پر کیا آفت پڑی اس صحرا میں بیٹھے آنسو بہا رہے ہو؟"

بُوڑھے نے مکّاری سے کہا۔ "جاؤ میاں، اپنی راہ دیکھو۔ کیوں مُجھ غریب کو ستاتے ہو۔ تُم بھلا میری کیا مدد کرو گے۔"

"مُمکن ہے میں تمہاری کُچھ مدد کر ہی دوں۔" سُلطان نے کہا۔ "لیکن تُم پہلے بتاؤ تو سہی کہ ماجرا کیا ہے؟"

"جناب ماجرا یہ ہے کہ میں ثعلبہ عیّار کا باپ ہوں۔" بُڈّھے نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "آج میرے بیٹے نے مُجھے مار پیٹ کر پھر گھر سے نکال دیا ہے۔ میں بُوڑھا ہو گیا، کسی کام کاج کے لائق نہیں رہا۔ تو اُس نے یہ سلوک میرے ساتھ کیا۔ اب کس سے فریاد کروں؟ سُنتا ہوں سُلطان مہدی بڑا خُدا ترس آدمی ہے۔ میں تو جب مانوں وہ میری فریاد سُنے اور ثعلبہ کے ظُلم و ستم سے مُجھے نجات دِلائے۔"

"بڑے میاں، میرا ہی نام مہدی ہے۔ اب فکر نہ کرو۔ مُجھے بتاؤ، ثعلبہ کہاں ملے گا؟"

"آؤ میرے ساتھ۔" بُڈّھے نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ثعلبہ اِس وقت اپنے باغ میں موجود ہے۔

جب سُلطان مہدی اور اُن کے ساتھ ثعلبہ کے باغ میں داخل ہوئے تو اُس

باغ کی نفاست، خوب صُورتی اور زیبائش دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اتنے میں ثعلبہ اپنی اصلی صورت میں سامنے آیا اور آداب بجا لایا۔ مہدی نے اُس سے پوچھا کہ تُم اپنے بُوڑھے باپ کو کیوں تنگ کرتے ہو؟ یہ سن کر اس نے سلام کیا اور کہا کہ حضور نے پہچانا نہیں۔ میں ہی ثعلبہ ہوں اور میں ہی اُس کا بُوڑھا باپ۔ مہدی اُس کی یہ عیّاری دیکھ کر اور خوش ہوا اور کہنے لگا کہ تمہارا باغ تو بہت عمدہ ہے۔ یہ پھل پھُول اور پودے کتنی مدّت میں اُگے ہیں؟ ثعلبہ نے عرض کیا۔

"حضور، یہ سب مصنُوعی ہیں اور آتش بازی کے لیے میں نے بنائے ہیں۔ آگ دینے کے بعد اِن کا نظّارہ فرمائیے گا۔ پھر میری محنت کی داد دیجیے گا۔ آگ دینے کے بعد جس جس پھل، پھُول اور درخت کی میں نے نقل کی ہے، وہ بالکل اصلی خوش بُو دیں گے اور ویسا ہی اُن کا رنگ ظاہر ہو گا اور

یہ تماشا رات بھر جاری رہے گا۔"

سُلطان مہدی نے ایک لاکھ اشرفیاں ثعلبہ کے انعام میں دیں اور کہا کہ آج رات ہم تیرے ہی باغ میں قیام کر کے آتش بازی کا نظّارہ کریں گے۔

سُورج غروب ہوتے ہی ثعلبہ کے آدمیوں نے مشعلوں کے ذریعے ہر درخت، ہر پودے اور ہر پھُول کو آگ دینی شروع کی۔ سارا باغ جل رہا تھا لیکن آگ کی تپش تھی، نہ دھواں، نہ کسی چیز کے جلنے کی بُو۔

آہستہ آہستہ سب پر سُرور اور مستی کی کیفیّت چھانے لگی۔ پھر اتنی گہری نیند کا جھونکا آیا کہ آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ چند لمحوں بعد سُلطان مہدی اور اُس کے تمام پہلوان بے ہوش ہو چکے تھے۔ ثعلبہ نے جھٹ پٹ اُن سب کی مشکیں کسیں اور گھوڑا گاڑیوں پر لاد کر راتوں رات ہی افریقیہ لے جا کر عبدالعزیز حاکم کے محل پر جا اترا۔

قید خانے میں سُلطان مہدی اور اُس کے ساتھیوں پر کیا بیتی؟ ارشن آباد کا کیا حشر ہوا؟ عِماد جِن کے عجیب و غریب کارنامے۔ وفا عیّار کی حیرت انگیز عیّاریاں، سُلطان مہدی کے بیٹے شہزادہ اسماعیل کا ایک طِلسم میں جانا اور اُسے فتح کرنا۔ اِس دِل چسپ داستان کے دوسرے حصّے "طِلسم جمشید" میں پڑھیے۔